ضربِ تکلّم
معاشرتی، معاشی، تہذیبی اور فکری
موضوعات پر اردو اور پنجابی زبان
میں تحریر کیے گئے خوبصورت
مباحثے اور تقریریں
پروفیسر محمد اکرم رضا
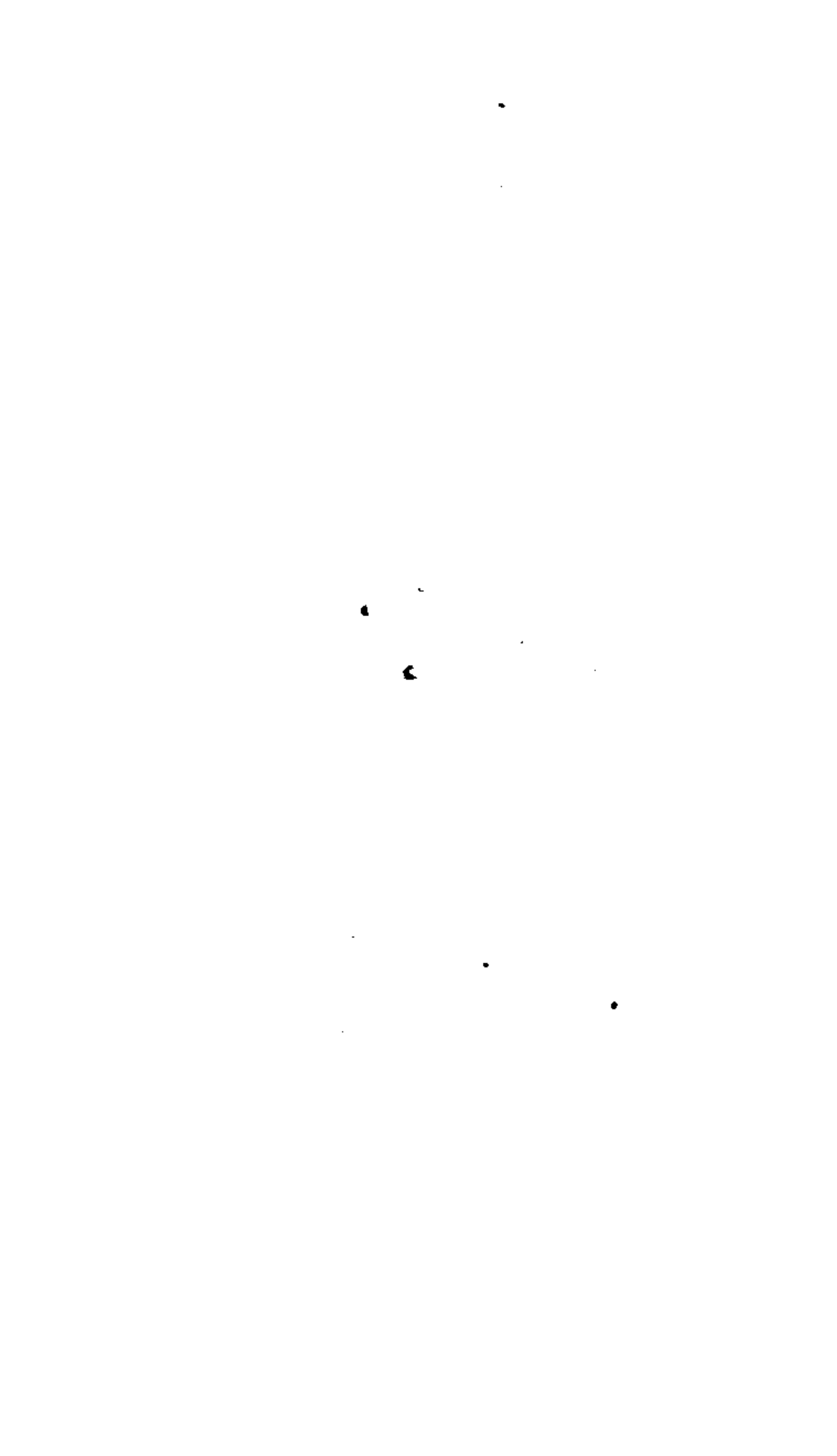
ضربِ تکلّم

خوبصورت موضوعات پر لکھے گئے انعام یافتہ

مباحثے اور تقریریں

پروفیسر محمد اکرم رضا

فروغِ ادب اکادمی
FAA
لاہور ◎ گوجرانوالہ ◎ اسلام آباد

خوبصورت، معیاری اور
دیدہ زیب کتابوں کا اہم مرکز

نام کتاب : ضربِ تکلّم (مباحثے)

مصنف : پروفیسر محمد اکرم رضا

اشاعت اوّل : 2005ء

اہتمام : محمد اقبال نجمی

قیمت : روپے

ناشر : فروغِ ادب اکادمی

88۔بی سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

فون: 0431-251603

تقسیم کار : تخلیقات: علی پلازہ۔3مزنگ روڈ۔لاہور

فون: 7238014

انتساب

ان تاریخ ساز مقررین کے نام

جن کی خطابت تحریکِ پاکستان کی پہچان بن گئی

☆

ان طلباء کے نام

جو حسنِ خطابت سے خدمتِ وطن کا فریضہ انجام دے رہے ہیں

☆

ان فرزندانِ قوم کے نام

جو تقریر و خطابت کی بلندیوں کو چھونے کا عزم رکھے ہوئے ہیں

فرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں
ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

فہرست

ضربِ تکلم۔ مباحثے

پنجابی

☆☆☆

تجلّی

پروفیسر محمد اکرم رضا

خطابت مؤثر ترین ذریعۂ اظہار ہے۔ وہ ذریعۂ اظہار جس کی بدولت مقرر اپنی بات کو دوسروں تک مختصر سی مدت میں عام انسانوں کی نسبت زیادہ قابل قبول، پُر تاثر اور فکر آفریں انداز سے پہنچا سکتا ہے۔ جب مقرر محوِ خطابت ہوتا ہے تو الفاظ کا شکوہ اس کے اعجازِ نطق کا ترجمان بن کر بزمِ ہستی کا اعزاز بن جاتا ہے۔ نفسِ مضمون کی جامعیت اور دلکشی اس کی گفتگو کو قولِ فیصل اور اس کے حسنِ تکلّم کو عظمتِ فن کا درجہ عطا کرتی ہے۔ شوکتِ اظہار کا حُسن اس کے مدعا کو نکھار عطا کر رہا ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اس کے پیغام کی صداقت ہر مخاطب کے دل کی خلوتوں میں اس شان سے جاگزیں ہو رہی ہوتی ہے کہ

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

جب سے انسان کو اظہارِ مدّعا کا سلیقہ عطا ہوا اسی لمحہ سے خوب سے خوب تر کی جستجو نے تقریر و خطابت کی معرکہ آرائیوں کو جنم دیا۔ بزمِ تخلیقِ فکر و فن ہو یا محفلِ ادب و دانش، رزم گاہِ حق و باطل ہو یا معرکۂ نُور و ظلمت، زمانہ گواہ ہے کہ تقریر و خطابت کی جولانیوں نے ہر جگہ اور ہر مقام پر اپنا جادو جگایا ہے۔ ادب و انشاء کو حُسنِ ادا کے ساتھ پیش کرنے کے احساس نے ہر آن اپنی عظمت اور بالاتری کا سکہ منوایا ہے۔ تقریر کا حُسن کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ خطابت کا وار کبھی مرکز سے ہٹنے نہیں پاتا۔ بات فرد کی ہو یا معاشرہ کی۔ ذکر ایک گروہ کا ہو یا ریاست کا، تقریر کا بانکپن ہر دل سے اپنی عظمت کا خراج لیتا آیا ہے۔

تعلیم و تدریس کی دنیا میں دیکھیں تو تعلیم کے ساتھ ساتھ ہم نصابی سرگرمیاں بھی طلبہ کی صلاحیتوں کو جلا بخشتی نظر آتی ہیں۔ ہر صاحب بصیرت اوّل و آخر طالب علم ہی ہوتا ہے۔ اور طلبِ علم کا یہی جذبہ اسے ادب و انشاء کی بالاتری کے حوالے سے دبستانِ خطابت میں لے جاتا ہے جہاں سے وہ لفظوں کے جواہر تراشنے، برمحل فقرات کے گلاب کھلانے اور حسین تر جملوں کے ستارے بکھیرنے کا ہنر سیکھتا ہے۔ طالبانِ فکر و دانش کی راہنمائی کے لئے ہم نے اس سے پیشتر روحِ تکلم اور حسنِ تکلم کے حوالے سے دو تقریری مجموعے پیش کئے تھے۔ ان مجموعوں نے زیورِ اشاعت سے آراستہ ہوتے ہی مقبولیت کی معراج کو یوں چھوا کہ اب تک ان کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور یہ ادب آفریں سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

زیر نظر تقریری مجموعہ ''ضربِ تکلّم،، کے نام سے اہلِ ذوق کی نذر ہے اس کے نام کی انفرادیت ہی اس حقیقت کا اظہار ہے کہ یہ عام تقریروں کے برعکس مباحثوں کا مجموعہ ہے۔ مباحثے اردو میں بھی ہیں اور پنجابی میں بھی۔ بعض مباحثے حمایت اور مخالفت دونوں پہلوؤں پر محیط ہیں۔ جبکہ بعض میں فقط ایک پہلو مدِ نظر رکھا گیا ہے تا کہ ہمارے فاضل مقرر متبادل دلائل کی از خود تیاری کریں یہ طریق محض ان کی ذہنی صلاحیتوں کو ادب کی آزمائش گاہ میں جولانیٔ فن دکھانے کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔

عام تقریر میں نفسِ مضمون کی جامعیت ہی حسنِ ادا کے حوالے سے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جبکہ مباحثوں میں نفسِ مضمون کی جامعیت کے ساتھ ساتھ حمایت یا مخالفت میں پیش کئے گئے دلائل کی ترتیب اور موزونیت کو بھی مدِ نظر رکھنا ہوتا ہے۔ مقرر کے لئے ضروری ہے کہ کمال ضبط وتحمل کا مظاہرہ کرے۔ مخالفت کے دلائل کا توڑ تلاش کرے اور پھر ان دلائل کے تیر زبان و بیان کی کمان میں سجا کر حریف پر اس طور یورش کرے کہ اس کے لئے پسپائی کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہ ہو۔ حریف سے نمٹنے کے لیے طنز و مزاح کی چاشنی کے ساتھ ساتھ برجستہ اشعار کا سہارا لیا جائے۔ ''ضربِ تکلّم،، کے مباحثے یقیناً مقررین کو مختلف عنوانات اور موضوعات کے حوالے سے سیر حاصل مواد عطا کریں گے مگر جس طرح زندگی کی کشاکش میں کوئی چیز حرفِ آخر نہیں ہوتی اسی طرح معلومات اور دلائل کی فراہمی کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔ زمانہ جوں جوں نامعلوم سے معلوم کی طرف بڑھ رہا ہے نئی نئی صداقتیں آشکار ہو رہی ہیں۔ اس لئے ان مباحثوں سے مدد لینے والوں کو اخبارات، رسائل و جرائد اور معلوماتی کتب کے مطالعہ کا عمل تیز سے تیز تر کرنا چاہیے۔

''ضربِ تکلّم'' مباحثوں کے حوالے سے منفرد پیش کش ہے۔ یہ فنِ خطابت میں آگے بڑھنے والوں کو ولولۂ تازہ عطا کرتی ہے۔ اصحابِ خطابت کو مباحثے کے اسلوب سے آگاہ کرتی ہے کہ عام تقریر کی نسبت مباحثے میں کون سا ڈھنگ اپنانا چاہیے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب بھی ہماری دوسری کتابوں کی طرح فکر و ادب کے پرستاروں کے نزدیک محبوب تر ٹھہرے گی۔

اس کے ساتھ ہی میں محب مکرم جناب محمد اقبال نجمی ڈائریکٹر فروغِ ادب اکادمی کا ذکر کرنا وجہِ افتخار سمجھتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو جاذبِ نظر انداز سے پیش کرنے کے لئے بہترین صلاحیتیں بروئے کار لا رہے ہیں۔ عزیزم محبی محمد اقبال نجمی کے لئے اپنے خصوصی قلبی و ادبی تعلق کے حوالے سے بھی دعا گو ہوں کہ ربّ کونین انہیں دنیاوی سربلندیوں اور اخروی سرفرازیوں کا حقدار بنائے۔ تخلیق شعر و ادب کے حوالے سے بھی اور پرورشِ لوح و قلم کے حوالے سے بھی۔

☆☆☆

تاثر

ایک زمانہ تھا جب ایسی شخصیات سے بزمِ ہستی آباد تھی جو بیک وقت ادیب بھی ہوتی تھیں اور خطیب بھی۔ شعری بلندیوں کی ہمراز بھی تھیں اور حکمت و دانش کے لئے سرمایۂ ناز بھی۔ اُن کی فکری تدبر آفرینیوں سے زمانہ جگمگاتا تھا۔ پھر قحط الرّجال نے آلیا اور ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وقت نے وہ سانچہ ہی توڑ ڈالا ہے جس میں ایسے کثیر الصّفات مردانِ روزگار ڈھلا کرتے تھے۔ قحط الرّجال کے اس دورِ پُر آشوب میں جب پروفیسر محمد اکرم رضا جیسے صاحبِ فکر سے ملاقات ہوتی ہے جنہیں رب کریم نے بہت سے علمی و ادبی اور فکری و نظری شعبوں میں بیک وقت بلند مقام سے نوازا ہے تو ایک بار پھر علمی لحاظ سے پرشکوہ دور کے لوٹ آنے کا احساس ہونے لگتا ہے۔ کیونکہ پروفیسر محمد اکرم رضا شاعری، نثر، خطابت، تصنیف و تالیف اور تحقیق کے میدان میں یکساں ریاضت سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اُنہیں پڑھتے اور اُن سے ملتے ایک عرصہ بیت گیا اور ان کی علمی صفات کا اس شانِ سے ظہور دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑھتا ہے کہ یہ سب کچھ عین فضلِ الٰہی ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا کو فیاضی قدرت نے علمی صفات سے حصہ وافر عطا کیا ہے آپ کی شاعری بالخصوص نعتیہ شاعری ایک عرصہ سے برصغیر پاک و ہند کے عشاق کے دلوں کی دھڑکنوں میں آباد ہے۔ آپ کے علمی، ادبی، تحقیقی نثر پارے ایک مدت سے وطن عزیز کے ممتاز اخبارات اور رسائل و جرائد کی زینت بن رہے ہیں۔ آپ اپنی علمی نکتہ آفرینوں کی بدولت لاہور اور ملک کے دوسرے شہروں کے علمی اور تحقیقی حلقوں میں اتنے ہی مقبول ہیں جتنے گوجرانوالہ میں۔ نعت گوئی سے ہٹ کر تحقیقاتِ نعت میں آپ نے جو کام کیا ہے وہ بلاشبہ یادگار ہے اور آج نعت کے حوالے سے تحقیقی کام کرنے والے آپ کی ادبی کاوشوں سے خوشہ چینی کر رہے ہیں، مستقبل میں آپ کا مقام اور زیادہ واضح ہوگا کیونکہ آپ کے علم آفریں قلم نے رُکنا یا آپ کے بلند فکر ذہن نے تھکنا نہیں سیکھا۔ یہ ہمیشہ نئی راہوں کے متلاشی رہے ہیں۔

تمام ادبی اور شعری صفات میں اُنہیں جو حصہ ملا کمال کا ملا۔ اُنہوں نے نثر نگاری میں اپنے لیے ایک الگ اسلوب تراشا۔ میرے ذہن کے مطابق اسلوب تراشے نہیں جاتے بلکہ جب کوئی بلند فکر شخصیت مہینوں اور سالوں کے تصوّر سے بے نیاز ہو کر مسلسل قلم کی نوک سے ادبی جواہر بکھیرتی ہے تو ایک عرصہ بعد وقت خود اُس کے لیے اسلوب تراشتا ہے اور اُسے صاحبِ طرز قرار دیتا ہے۔ بلاشبہ پروفیسر محمد اکرم رضا عصرِ حاضر میں ایسے صاحبِ اسلوب نثر نگار اور محقق ہیں کہ جن کے علمی کارنامے اُن کی پہچان بن چکے ہیں۔ یہ تمام صفات اپنی جگہ پروفیسر محمد اکرم رضا

تقریر و خطابت کی اُن بلندیوں پر بھی فائز ہیں جو بہت کم خوش بختوں کا مقدر بنتی ہیں۔ اُن کی خطابت محض ایک میدان تک محدود نہیں۔ شعر و ادب کا میدان ہو یا تہذیبی و معاشرتی مسائل اور دینی علوم کی جولاں گاہ، اُن کے کمالِ خطابت سے میدان سج جاتا ہے، پژمردہ کلیوں کو مہکباری کا احساس ہونے لگتا ہے، سننے والوں کی نبضوں کی حرارت مقرر کی خطیبانہ دلآویزی سے مسحور ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے یہ فرسودہ مضامین کو اپنے حسنِ گویائی سے مقبولِ زمانہ بنانے کا ہنر جانتے ہیں

غرضیکہ نثر ہو یا نظم، تحقیق ہو یا خطابت پروفیسر محمد اکرم رضا کو صاحبِ اسلوب اور کثیر الجہت شخصیت ہونے کا اعزاز محض کاروانِ حیات کے آگے بڑھنے سے عطا نہیں ہوا۔ اس کا حقیقی سبب اُن کا غیر معمولی مطالعہ، علمی جدوجہد اور مقصد سے والہانہ لگن ہے۔ انہیں اُن نامور خطباء، علماء و فضلاء اور اصحاب دانش کی خدمت میں برسوں بیٹھنے اور اُن کے افکارِ عالیہ سے خوشہ چینی کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے جن میں سے بیشتر آج نظروں سے روپوش ہو کر اصحابِ نظر کے دلوں میں اپنا ٹھکانہ بنا چکے ہیں۔ یہ بھی ایک ریاضتِ مسلسل تھی جو بہت بڑے علمی گھرانے کے فرزند ہونے کی وساطت سے اُن کا اعزاز بن گئی۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کی یادیں دل نشیں ہیں۔ نثر پارے فکر آفریں ہیں اور افکار محبتِ رسول ﷺ سے آباد ہیں، اُن کی سدا بہار خطابت اُن کی تمام خوبیوں کو وطن عزیز کے گوشے گوشے میں پھیلانے کا سبب بن رہی ہے۔

''حسن تکلم'' اور ''روح تکلم'' کے بعد ''ضربِ تکلم'' کی اشاعت اُن کے جمالِ خطابت کا نہایت خوبصورت پہلو ہے ان کے حلقہ تربیت سے فیضیاب ہونے والے بعض اصحاب آج بذاتِ خود ادبی و علمی اداروں کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور بہت سے اصحاب دوسری اصنافِ سخن میں بلند مقام حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تقریری حیثیت بھی منوا چکے ہیں۔ ان کتابوں کی اشاعت سے پروفیسر صاحب کا مقصود یہی ہے کہ وہ لوگ جنہیں اُن کا حلقۂ تربیت میسر نہیں آیا وہ اُن کی تقریری کتب کی وساطت سے اپنی صلاحیتوں کے اظہار پر قادر ہو سکیں۔ پروفیسر صاحب کی دوسری تصنیفات کے پہلو بہ پہلو تقریری جواہر لٹانے والی کتب کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ میری دُعا ہے کہ یہ سلسلہ اسی وقارِ علم و ادب کے ساتھ جاری رہے اور اس کے ساتھ ہی یہ دُعا بھی ہے کہ پروفیسر صاحب کی نثری تصانیف کے ساتھ ساتھ ان کی شعری تصانیف بھی تیزی سے اشاعت پذیر ہوں جن کا ایک زمانہ منتظر ہے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ ایم اے

ایڈیٹر ماہنامہ جہانِ رضا، ڈائریکٹر مکتبہ نبویہ۔ لاہور

☆☆☆

مباحثہ

قرارداد

جنگ امن کے لئے ضروری ہے

(حمایت)

صدر ذی وقار! میں آپ کی وساطت سے آج کے اس معزز ایوان میں یہ قرارداد پیش کرنا چاہتا ہوں کہ

"جنگ امن کے لئے ضروری ہے"

جناب والا! بظاہر اس قرارداد کے الفاظ تباہی و بربادی کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں مگر اس قرارداد کے حقیقی مفہوم پر غور کرتے ہوئے امن و سلامتی کی نوید سنائی دینے لگتی ہے اور بجا طور پر احساس ہونے لگتا ہے کہ جنگ کی بدولت ہی پائیدار اور مستقل امن کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

صدر محترم! جنگ کے لفظ سے بڑے مہیب خطرات اور دہشتناک تصورات وابستہ ہوتے ہیں اس لئے اس سے نفرت ایک فطری امر ہے۔ اس کے مقابلہ میں امن و سلامتی کے الفاظ بہت خوشگوار اور نرم و نازک محسوس ہوتے ہیں۔ اور انسان فطری تقاضوں کے تحت جنگ سے نفرت کرتے ہوئے امن و سلامتی کی دنیا بسانا چاہتا ہے۔

لیکن جناب والا! امن و سلامتی کے الفاظ جتنے خوشگوار اور نرم و نازک نظر آتے ہیں ان کو عملی تعبیر بخشنے کے لئے قوموں کو آگ اور خون کے سمندر عبور کرنا پڑتے ہیں۔ رزم گاہیں آباد کرنی پڑتی ہیں۔ مصائب و الام کے طوفانوں سے گزرنا پڑتا ہے' وقت کے فرعونوں سے ٹکرانا پڑتا ہے۔ میدان کارزار کو لہو رنگ بنانا پڑتا ہے پھر کہیں جا کر امن و سلامتی کا سورج طلوع ہوتا ہے۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

صدر والا مرتبت! تاریخ شاہد ہے کہ وہی قوم پائیدار اور حقیقی امن کی حقدار ٹھہرتی ہے جو جنگ و جدل کے خونیں معرکوں میں سرخروئی کا اعزاز حاصل کر لیتی ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے سرزمین عرب میں امن و سلامتی کے گلاب کھلانے کے لئے اپنی رحمتہ اللعالمینی کا ابر گوہر بار چاروں طرف برسا دیا مگر دشمنان بدباطن نے آپ کو ایک لحظہ بھی چین نہ لینے دیا اور جنگ کی بھٹی کو متواتر سلگاتے رہے' رحمت پناہ دوعالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تباہی و ہلاکت کے علمبردار کفار سے مسلسل کئی جنگیں لڑیں اور یہ انہی غزوات کا فیضان تھا کہ کفار کی حربی و مادی طاقت دم توڑ گئی اور چاروں طرف امن و سلامتی کا پرچم پورے ایمانی شکوہ کے ساتھ لہرانے لگا۔ اب اگر اس وقت حضور علیہ الصلوۃ والسلام جنگ کا راستہ اختیار نہ کرتے تو عرب معاشرہ امن و سلامتی کی روشنی کے لئے ترستا ہی رہتا۔

اٹھائی تلوار مصطفیٰ نے کہ امن و راحت فروغ پائے
مٹے تشدد زمانے بھر سے ہر اک دکھی قرار پائے

صدر عالی وقار! آج کا دور آزادی کے تقاضوں کا دور ہے اور چاروں طرف امن کے سہانے اور سنہرے خواب سجانے کی بات ہوتی ہے۔ مگر جب ہم زبانی جمع خرچ سے گزرتے ہوئے امن کی فاختہ کو صلیب وقت پر رقص بسمل کا نظارہ پیش کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو امن کا لفظ اپنا حقیقی حسن کھو کر منافقتوں کے حصار میں گم ہو جاتا ہے۔ یہ کہاں کا امن ہے کہ جس کے پاس طاقت ہے وہ کمزوروں کے حقوق سے کھیل رہا ہے۔ امن و سلامتی کے الفاظ بڑے سہانے ہیں مگر ان الفاظ کو استبدادی عزائم رکھنے والے چنگیز خانوں نے اپنی محل سراؤں کی زینت بنا رکھا ہے۔

جناب والا! ایک طرف یہودیت کا پھنکارتا ہوا عفریت دنیائے اسلام کو بار بار ڈس رہا ہے۔ لبنان سے لے کر فلسطین تک صیہونی ظلم و ستم کی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ دوسری طرف بھارتی حکمران پاکستان کی شہ رگ کشمیر پر اپنے ظلم و ستم کا خنجر گاڑ چکے ہیں۔ ایشیا کا سفید ریچھ

روس چپکے سے افغانستان میں داخل ہوا اور اس نے وہاں امن کو استحکام بخشنے کے نام پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا بوسنیا کی طرف دیکھئے۔ کس کس کا ذکر کیا جائے ایشیا سے یورپ تک آپ جس جانب نظر اٹھائیں گے امن کے فروغ کے نام پر آپ کو انسانیت کے خون کے بہتے ہوئے دھارے نظر آئیں گے۔ اور رہ گئی بیچاری اقوام متحدہ۔ تو وہ فقط قراردادوں کا نوحہ پڑھتی ہوئی یہ کہتی محسوس ہو گی کہ

مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستان کا
میں وہ گل ہوں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری

صدر ذی وقار! لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ جب تک سانپ کا سر نہ کچلا جائے وہ ڈستا رہے گا۔ جب تک استبدادی طاقتوں کی کمر نہ ٹوٹے وہ کمزور اقوام پر مصائب کے کوہ گراں توڑتی رہیں گی۔ کمزوری ایک جرم ہے جسے ہم امن پسندی کا نام دے کر اپنی قسمت کو سامراجی آقاؤں کے حوالے کر دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

صدر عالی مقام! کسی خطے میں اس وقت تک حقیقی امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک امن و سلامتی کا نظام درہم برہم کرنے والی جابر طاقت کے غرور کو خاک میں نہ ملایا جائے۔ تاریخ ایسی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ جب امن پسند اقوام "مرتا کیا نہ کرتا" کا مصداق بن کر آگے بڑھیں تو پھر ظلم و جارحیت کی رات کٹ گئی اور پائیدار امن کا سویرا طلوع ہو گیا۔ جنگ بذات خود ایک ناپسندیدہ حقیقت ہے لیکن جب جارحیت پسند قوتیں کسی کو امن و سکون سے نہ رہنے دیں تو پھر حکم ربی صادر ہوتا ہے کہ

و جاھدو فی اللہ حق جہادہ

اور ان کے ساتھ جہاد کرو اللہ کے لئے جیسا جہاد کا حق ہے۔

جناب والا! جنگ مدافعت کے لئے بھی لڑی جاتی ہے اور جارحیت کے لئے بھی۔ توسیع پسندانہ عزائم کے لئے بھی لڑی جاتی ہے اور مدافعت کے لئے بھی۔ میری طرف سے پیش کی جانے

والی قرارداد کا مقصد ایسی جنگ ہے جو امن و سلامتی کے لئے لڑی جائے اور اپنی امن و سلامتی کے لئے لڑنا منشائے قدرت بھی ہے اور تقاضائے فطرت بھی' کوئی بھی غیرت مند انسان یا آزادی پسند قوم خود پر غیروں کا تسلط برداشت نہیں کر سکتے۔

عالی مقام! میں جانتا ہوں کہ جنگ کی مخالفت کا ذکر کرنے والے جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کا ذکر ضرور کریں گے لیکن اس کے پس منظر کو دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اگر اس وقت ہٹلر کی نازی افواج کا راستہ نہ روکا جاتا تو نہ معلوم آج دنیا کا نقشہ کیا ہوتا۔ جرمن افواج ہر ملک پر قبضہ کرنے کا ارادہ لے کر آگے بڑھی تھیں۔ جارحیت کا شکار ہونے والی ان اقوام نے بہادری و دلیری سے اس یلغار کا راستہ روک کر اپنے ملکوں میں پائیدار امن و سکون کی بنیاد رکھ دی۔

والا قدر! دور کیوں جائیں۔ جب افغانستان سے لاکھوں مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا گیا تو ان کی آواز کوئی نہیں سنتا تھا۔ پاکستان اور عالم اسلام کی طرف سے امن و سلامتی کی ساری اپلیں رائیگاں بن چکی تھیں لیکن جب ان بے سرو سامان مہاجرین نے جہاد کے نام پر ہتھیار اٹھائے تو وہی روس جو کل تک اپنے ہر فعل کو جائز سمجھتا تھا آج افغانستان سے ذلت آمیز شکست کھا چکا ہے۔

جناب والا خود کو طاقت ور بنانا ہر ملک کا حق ہے۔ جب تک آپ طاقت ور نہیں ہوں گے دوسری طاقتور اقوام آپ پر حملہ کرنے کے مواقع ڈھونڈتی رہیں گی۔ اگر بھارت اپنی فوج پاکستان کی سرحد پر جمع کر کے واپس لے جاتا ہے تو اس کا سبب یہ نہیں کہ وہ آپ کی امن کی اپیلوں سے متاثر ہو گیا ہے بلکہ اس کا سبب پاکستان کی حربی قوت ہے جس کے پس منظر میں ۱۹۶۵ء کے معرکہ حق و باطل میں پاکستانی افواج کی ناقابل فراموش دلیری و قربانی کی داستانیں بھی پوشیدہ ہیں۔ یہی پاکستان آج کمزور ہو جائے تو بھارت ساری اپیلوں کو پاؤں تلے روندتا ہوا ہماری مقدس سرحدوں کو پامال کرنے پر تل جائے گا۔

صدر ذی وقار! جنگ ضروری ہے جارحیت اور استبدادیت کے آتش فشاں بھڑکانے کے لئے نہیں بلکہ پائیدار امن و سلامتی کے گلاب کھلانے کے لئے۔ اس لئے نہیں کہ دوسروں کی

آزادی چھینی جائے بلکہ اس لئے کہ اپنی آزادی اور قومی وقار کو محفوظ رکھا جائے۔ ان حقائق کی روشنی میں جناب والا! مجھے اجازت دی جائے کہ میں آج کی قرارداد پیش کرتے ہوئے کہہ سکوں کہ

"جنگ امن کے لئے ضروری ہے"

☆☆☆

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے!
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو اُمیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

مباحثہ (قرارداد)

جنگ امن کے لئے ضروری ہے

(مخالفت)

صدر عالی مقام! ابھی ابھی آج کے معزز ایوان میں قائد ایوان ایک ایسی قرارداد پیش کر کے گئے ہیں جو تباہی و بربادی کی علمبردار ہے اور جس کا مقصد ہی جنگ کے نام پر امن و سکون کو تہ و بالا کرنا ہے اس لئے مجھے اس قرارداد کی مخالفت میں کچھ عرض کرنا ہے۔

جناب والا! قائد ایوان نے جنگ کو مدافعت اور امن و سکون کے خوبصورت الفاظ کے پیراہن میں سجا کر پیش کیا ہے حالانکہ کونین کی گولی پر جس قدر شکر لپیٹی جائے اس کی تلخی مٹ نہیں سکتی۔ بندوق کی گولی کو آپ جو نام چاہے دے لیں اس کی تباہ کاری میں کمی نہیں آسکتی۔ جنگ کا لفظ محض ایک لفظ ہی نہیں اس سے قتل و غارت گری اور تباہی و بربادی کی اس قدر داستانیں وابستہ ہیں کہ امن و سلامتی کے ساتھ اسے وابستہ کرنا اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ اور انسانی تہذیب کے ساتھ سب سے بڑا مذاق ہے میں بصد معذرت ان کی خدمت میں یہی عرض کروں گا۔

امن کے نام پہ جنگوں کو صدا دیتے ہیں
پھول کہتے ہوئے شعلوں کو ہوا دیتے ہیں

والا قدر! جنگ کے مہیب شعلے کسی صورت بھی امن و سلامتی کے گل و لالہ نہیں کھلا سکتے جہاں جنگ کا آتش فشاں دہکتا ہے وہاں کی زمین ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بربادیوں کا نشیمن بن جاتی ہے قائد ایوان نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ بھی دیا ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا پیام رحمت تھے آپ تو جنگ و جدل کے بھڑکے ہوئے آگ کے الاؤ بجھانے کے لئے آئے تھے آپ نے امن و سلامتی کے پیغام کو عام کرنے کے لئے بھی جنگوں کو ترجیح نہیں دی بلکہ آپ نے اپنے اخلاق حسنہ کی قوت سے زمانے بھر کو تسخیر کیا اسی حقیقت کی طرف ایک شاعر نے یوں اشارہ کیا ہے کہ

خلق احمد یوں دل رجاں میں بسایا جائے
دشمن جاں کو بھی سینے سے لگایا جائے

صدر محترم! میرے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرب معاشرہ کو جو صدیوں سے جنگ کی بھٹی میں سلگ رہا تھا اپنی لازوال تعلیمات اور سیرت مقدسہ کی بدولت امن کا گہوارا بنا دیا آپ نے کبھی بھی طاقت کے مظاہرے کو ترجیح نہیں دی بلکہ ہمیشہ امن کو اپنی پہلی ترجیح قرار دیا حتیٰ کہ آپ نے صلح حدیبیہ میں عارضی پسپائی گوارا کرلی مگر اپنے جانثاروں کے شدید اصرار کے باوجود بھی جنگ کا اعلان کرنے سے انکار کر دیا اسی طرح ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ عرب معاشرہ کو امن کی دولت غزوات نبوی کی بدولت عطا ہوئی تھی کیونکہ آپ کی لازوال فتح فقط آپ کی رحمت بے کراں اور سیرت مقدسہ کی مرہون منت تھی۔

جناب والا! جنگ کے شعلے جب بھڑکتے ہیں تو کبھی سرد نہیں ہوتے قائد ایوان نے میدان جنگ میں ایک فریق کی شکست کو امن کے قیام سے تعبیر کیا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کسی ایک فریق کی شکست بظاہر جنگ کے شعلے سرد کر دیتی ہے مگر مغلوب قوم کے دل میں انتقام کی چنگاری اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے اور پھر جب موقع پا کر یہ چنگاری بھڑکتی ہے تو زمانے بھر کے امن وسکون کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیتی ہے جنگ عظیم میں جرمنی کو شکست دینے کے بہانے اتحادی اقوام نے کچھ کم مظالم نہیں کئے جو مظالم ہٹلر و مسولینی نے کئے ان سے کہیں زیادہ مظالم اتحادیوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں روا رکھے اس صورت حال میں خود ہی فیصلہ کیجئے کہ امن کہاں قائم ہوا اور کس نے کیا۔

یہ جنگ کے شعلوں کے خوگر پھولوں کی بشارت کیسے دیں
جو ظلم و ستم کے پیکر ہیں وہ امن کی نعمت کیسے دیں

صدر ذی وقار! قائد ایوان صداقتوں سے انحراف کرتے کرتے تاریخی دروغ گوئی پر اتر آئے ہیں یہ کہاں کا امن ہے کہ زندگی کی راحتوں سے بھرپور شہر اور بستیاں آگ کی نذر کر دی جائیں۔ یہ کیسا امن ہے کہ ایٹم بم کی قوت کو تباہ کاری کی خاطر کو ہنستے مسکراتے انسانوں پر آزمانے کے لئے عالمگیر بربادی کی بنیاد رکھ دی جائے۔ کیا یہی امن ہے کہ لاکھوں انسانوں سے

ان کی زندگی کی سوغات چھین لی جائے بے شمار انسانوں کو ہمیشہ کے لئے روگی اور اپاہج بنا دیا جائے۔ حوا زادیوں کی آبرو چھین کر رقص ابلیس کا نظارا پیش کیا جائے اگر جنگ عظیم میں یہ سب کچھ ناگزیر تھا تو بتایئے پھر امن کہاں قائم ہوا گدھوں کی خوراک بننے والی لاشوں پر یا جنگ کے شعلوں سے ہمیشہ کے لئے بنجر ہونے والی زمینوں پر ناگا ساکی اور ہیروشیما کے کھنڈرات پر یا شہر خموشاں کے بیکراں سناٹوں پر اس عالمگیر تباہ کاری کے پس منظر میں یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ

عقل کے اندھے کبھی منزل کو پا سکتے نہیں
جنگ کے شعلے کبھی گلشن کھلا سکتے نہیں

عالی مقام! امن کے نام پر جنگ وجدل کا بازار گرم کرنا عالم انسانیت کو تاریک مستقبل کے حوالے کر دینے کے مترادف ہے قائد ایوان اور ان کے پیروکار جو چاہے کہتے پھریں یہ حقیقت اپنی جگہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جنگ کا آغاز جس قدر آسان ہے اس کا انجام اسی قدر دہشت ناک ہوتا ہے ملکوں کو تاخت و تاراج کرنے اور انسانوں کو جنگ کی بھٹی کا ایندھن بنا کر امن و راحت کا خواب دیکھنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص تھوہر اور ببول بو کر وہاں سے گلاب اگنے کی توقع رکھے۔

ذی وقار! قائد ایوان نے امن کی اپیلوں کو بزدلی سے تعبیر کرکے امن عالم کے اداروں کا مذاق اڑایا ہے امن کے لئے کی جانے والی مثبت کوششوں کے نتائج اگرچہ ہر مرتبہ حوصلہ افزا نہ ہوں مگر ان سے انسانی شعور کی بیداری کا پتہ ضرور چلتا ہے اگر کوئی نماز پڑھنے نہ آئے تو مسجد میں اذان کا سلسلہ تو ختم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایک دن یہی اذان خوابیدہ دلوں کو بیدار کرنے کا اہتمام کرتی ہے اسی طرح امن عالم کے لئے کی جانے والی کوششیں ایک نہ ایک دن اجتماعی ضمیر کو جھنجوڑنے کا باعث ضرور بنتی ہیں۔

صدر عالی مقام! قائد ایوان نے افغانستان میں روسی پسپائی کا سبب جنگ کو ٹھہرایا ہے حالانکہ اس کا اصل سبب وہ مذاکرات ہیں جو ایک مدت سے جاری ہیں یہ امن پسند قوتوں کی بہت بڑی کامیابی ہے کہ روس جیسی استبدادی قوت افغانستان کے مسئلہ پر خود کو تنہا تنہا محسوس کر رہی

ہے ورنہ بعض بڑی طاقتیں تو اس خطہ میں امن قائم کرنے کے بہانے یہاں وسیع پیمانے پر جنگ کی تباہ کاریاں مسلط کرنے کے لئے کوشاں ہیں اسی طرح وطن عزیز کی سرحدوں پر جنگ کے بادل چھٹ جانے کی وجہ بھی وہ مذاکرات ہیں جو اس خطہ کو امن و سلامتی بخشنے کے لئے مسلسل جاری ہیں۔

جناب والا! میرا یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کہ اگر زبردستی جنگ مسلط کردی جائے تو جنگ نہیں لڑنی چاہیئے جب جنگ حالات کا تقاضا بن جائے تو پھر جنگ بھی حقیقت میں ڈھل جاتی ہے لیکن یہ جنگ خواہ مدافعت کے نام پر ہی کیوں نہ لڑی جارہی ہو اسے ہم کسی صورت بھی امن و سلامتی کی تمہید قرار نہیں دے سکتے کیونکہ جنگ کا فاتح خونخوار بن جاتا ہے اور مفتوح انتقام کی آگ میں سلگ کر تباہ کاری کی تاریخ دہرانے کے عزائم سوچنے لگتا ہے اور پھر فریقین اپنی پوری قوت جنگ کی نذر کرنے کے بعد اس قدر نڈھال ہو چکے ہوتے ہیں کہ ان کا معاشی اور تہذیبی مستقبل دھندلکوں میں کھو جاتا ہے۔

صدر محترم! آج کا دور امن و سلامتی کے اجالوں کا منتظر ہے یہ دور آزادی فکر کا دور ہے اس لئے ہم کسی جنونی دانشور کو یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ امن کے نام پر جنگ کی ترغیب دے ...... ان حقائق کی روشنی میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے کہہ سکوں کہ جنگ لپکتے ہوئے شعلوں نام ہے اور یہ امن عالم کے لئے کسی صورت بھی ضروری نہیں ہے۔

آیئے عرض گزاریں کہ نگار ہستی
زہر امروز میں شیرینی فردا بھر دے
وہ جنہیں تاب گراں باری ایام نہیں
ان کی پلکوں پہ شب و روز کو ہلکا کر دے

———O———

جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

صدر ذی وقار! عقل اور عشق کی آویزش آغاز کائنات سے چلی آ رہی ہے۔ عقل کو اپنی برتری پر ناز ہے تو عشق اپنی سربلندی پر نازاں ہے۔ عقل ذہن اور فکر پر قبضہ جما کر سمجھتی ہے کہ اس نے انسانی قوتوں کو اسیر کر لیا ہے تو عشق اسی انسانی جسم میں روحانی قوتوں کو بیدار کر کے عقل کی تمام بندشوں کو توڑ کر لامکاں کی رفعتوں کی جانب مائل پرواز کر دیتا ہے عقل اپنی اس معذوری اور ناکامی پر جھنجھلا کر عشق کی عظمتوں کے حضور سر تسلیم خم کر دیتی ہے۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

جناب والا! عقل کو دعویٰ ہے کہ اس نے سائنسی ایجادات کو وجود بخشا ہے اس کو دعویٰ ہے کہ اس نے فضاؤں کو تسخیر کرنے والے فضائی سیارے اور سمندروں کا سینہ چیرنے والے جہاز بنائے۔ عقل کو دعویٰ ہے کہ اس نے زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کو ظاہر کیا۔ لیکن سوال ابھرتا ہے کہ ان خلائی سیاروں' ایٹمی آبدوزوں' مہیب جہازوں اور اسرار و رموز منکشف کرنے والی قوتوں کو ایجادات کا وجود بخشنے والے سائنس دان عقل سے کہیں زیادہ جذبہ عشق کے اسیر تھے۔ عقل تو اس وقت بھی سمجھاتی تھی کہ خلاؤں کی تسخیر ناممکن ہے۔ سمندروں کی تہوں تک رسائی ناممکن ہے' کائنات کے اسرار و رموز کا ادراک ناممکن ہے۔ لیکن جذبہ وارفتگی اور عشق نے انہیں شوکت عمل سے سرشار رکھا۔ لہٰذا عقل کو ان سائنسی ترقیوں پر نازاں ہونے کی ضرورت یہ نہیں سب کچھ جذبہ عشق کا مرہون منت ہے۔

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

صدر ذی وقار! زمانے نے عقل کی بے بسی کے نظائر کب نہیں دیکھے۔ انبیاء اور رسل کا وجود بذات خود عشق کی عظمتوں اور عقل کی عاجزی کا اعلان کرتا ہے۔ اگر یہ مصلحین انسانیت ایک لمحہ کے لئے بھی عقل کے دام حرص اور مصلحت کوشی کے اسیر ہو جاتے تو کبھی بھی پیغام

حقانیت کو زمانے کا مقدر نہ بنا سکتے۔ عقل اس وقت کی بے بسی کو فراموش نہیں کر سکتی جب عقل پرست نمرود نے عشق الٰہی کے علمبردار سیدنا حضرت خلیل اللہؑ کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے ایک بہت بڑا الاؤ بھڑکایا تھا۔ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ یہی عقل مصلحت اندیش کے نام پر سیدنا ابراہیمؑ کے حضور حاضر ہوئی کہ آپ کا یہ جسم انسانی اس آتش کدہ نمرود کے شعلوں کی تاب نہیں لا سکے گا اور راکھ ہو جائے گا۔ لیکن آپ کے دل میں پوشیدہ عشق نے پکار کر کہا کہ اے عقل میں تیری طرح مصلحت اندیش نہیں، تو کفر کی نمائندگی کر رہی ہے میرا تو کام ہی آتش کدوں کو پیغام راحت دینا ہے اور چشم فلک لے وہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا جب ابراہیمؑ خلیل اللہ عقل کی مصلحت اندیشیوں کو ٹھکراتے ہوئے آگے بڑے اور عشق کی عظمتوں کو سینے سے لگا کر آتش کدہ نمرود میں کود پڑے آتش کدہ گلزار بن گیا۔ شعلے گل ولالہ میں تبدیل ہو گئے۔ عشق کی اس کامرانی پر ناکام و رسوا عقل آج تک سوچ رہی ہے کہ یہ کیسے ہو گیا۔

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

صدر ذی وقار! عشق کی عظمتوں کے افسانے کہاں کہاں نظر نہیں آتے عشق خلیلؑ ہو یا شوکت موسویؑ عظمت عیسیٰؑ ہو یا رفعت مصطفویؐ میدان کربلا میں امام حسینؓ کے کاروان اہل بیت کی حق پرستی ہو یا غازی علم الدین شہید کی داستان قربانی، یہ سب عشق کی عظمتوں کے شہ پارے ہیں۔

تاریخ کے اوراق میں دیکھئے وقت کی عبرتناک داستان پر نظر ڈالئے۔ حالات کے بہتے ہوئے دھاروں کا مشاہدہ کیجئے۔ ہر آن عشق اپنے دور کے حق پرستوں سے اپنی جاودانیوں کا خراج لیتا ہوا نظر آئے گا۔ عقل ہر جگہ ناکام و نامراد مایوس بے بس نظر آئے گی۔ اقبال کے لفظوں میں یہ حقیقت خوشبو کی طرح بکھرتی محسوس ہو گی۔

نے مہرہ باقی نے مہرہ بازی
جیتا ہے رومی ہارا ہے رازی

جناب والا! عقل فلسفے کی اسیر اور ممکنات دہر کی غلام ہے. اس کا سارا زور ممکن اور ناممکن کے چکر میں گزرتا ہے۔ دور حاضر میں پاکستان کا وجود بھی عشق کا معجزہ ہے۔ بیک وقت انگریزی استبدادیت' ہندو کی مکاری اور اس کے سحر میں گرفتار قومیت پرست علماء کی سادہ دلانہ روش کے باوجود پاکستان وجود میں آکر رہا۔ اہل ایمان کو آگ اور سمندر عبور کرنا پڑے۔ عقل پھر حیران رہ گئی کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ ایک بہتر ۷۲ سالہ بوڑھا مرد آہن محمد علی جناح اپنے دور کی ہر طاغوتی طاقت کو ٹھکرا کر ملت اسلامیہ کو ساحل مراد تک لے آیا۔ عشق آگ سے کھیلنے اور اپنے اندر ڈوب جانے کا نام ہے۔ عشق سرکش جذبہ ہے جو لہو کی بوندوں سے تاریخ رقم کرتا ہے۔ عشق لافانی جذبہ ہے جو بندے کو عرفان الٰہی بخشتا ہے۔ شب معراج سیاح لامکاں محبوب دوجہاں حضور مصطفیٰ ﷺ لامکاں سے آگے دیدار الٰہی سے بہرہ ور ہوئے اور عقل لمحوں کا حساب کرتی رہ گئی۔ عقل ایک ایسا پردہ ہے جو نہ جانے کتنے دانشوروں کی آنکھوں پر پڑا انہیں عرفان الٰہی سے محروم کر دیتا ہے۔ القصہ ایسے ہی تاریخ کے عظیم محروم دانشور کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے کہا

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

عالی مرتبت! حاصل کلام یہ ہے عقل اپنی بالاتری منوانے کے لئے ہر دور میں نمرود کے آتش کدے روشن کرتی ہے۔ فرعون کی صورت میں حق پرستوں کا قتل عام کرتی ہے۔ ابوجہل اور ابولہب کی صورت میں پھونکوں سے چراغ مصطفوی بجھانے کی کوشش کرتی ہے۔ کبھی یزید کی صورت میں کربلا کی تپتی سرزمین کی پیاس اہل بیت کے مقدس لہو سے بجھانے کی کوشش کرتی ہے۔ عشق سے انتقام کے جوش میں جنگ عظیم اول' جنگ عظیم دوم اور روسی درندوں کے

ہاتھوں افغانستان کی ہولناکیوں کی صورت میں تباہی کے جہنم کدوں میں جھونک دیتی ہے۔ عشق پیار کی شبنم چھڑکتا ہے محبت کی خوشبو بکھیرتا ہے صدیوں کے بچھڑے دشمنوں کو ملاتا ہے۔ عقل پھر حیران رہ جاتی ہے کہ وحشت ناکیوں کا انجام میری مرضی کے مطابق نہیں ہو سکا۔ عشق ابدی حقیقت ہے۔ ازلی سچائی ہے۔ عشق سلامت تھا سلامت ہے اور اس کی عظمتیں ابد کی وسعتوں تک پیار کا پیغام عام کرتی رہیں گی۔

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا
قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

صدر گرامی قدر!

عقل اور عشق کی آویزش روز ازل ہی سے رہی ہے۔ عقل مصلحت کی غلام ہے جب کہ عشق کارزار حیات میں مردانہ وار زندگی گزارنے کا قائل ہے۔ عقل حالات سے سمجھوتہ کر لیتی ہے جب کہ عشق حالات کو اپنی مرضی کا پابند بنانے کا دعویدار ہے۔ عقل اپنی کامیابی کے لئے تمام انسانی واخلاقی اصولوں کو خود پامال کر دیتی ہے جب کہ عشق ریاکاری اور تصنع سے دامن بچاتا ہوا ہمیشہ اصولوں کی سربلندی کا پرچم حق لہرائے رکھتا ہے۔ یوں سمجھیئے کہ عقل گفتار کی اسیر اور عشق کاروان سیرت و کردار کا امیر ہے۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے اس تاریخی اور ابدی صداقت کی ترجمانی کی ہے کہ

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

ذی وقار! شاعر مشرق علامہ اقبال ترجمان اسرار فطرت تھے۔ بہت بڑے دانائے راز اور عظمت اسلامی کے نقیب تھے۔ وہ اپنی نگاہ دوربین سے دیکھ رہے کہ اسلامیان برصغیر پاک و ہند اس وقت تک اپنی جدوجہد آزادی کے سلسلہ میں کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتے جب تک وہ انسانی سیرت و کردار کی رفعتوں کو نہیں چھو لیتے اور غفلت کردار کا اس وقت تک تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جب تک عقل کے وہم طلسم خیال کو توڑ کر عشق و سرمستی کی عظمتوں کو دل و دماغ میں جگہ نہ دی جائے۔ اقبال کو بخوبی احساس تھا کہ کائنات میں پیغام توحید کی تبلیغ اور تعلیمات نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو عام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام مصلحتوں اور ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے گداز عشق کو سینے سے لگایا جائے۔ اسی لئے تو وہ کہتے ہیں کہ

تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

والا مرتبت! کہنے کو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عقل اس کائنات کے علوم و فنون کی راز دار اور حقائق ہستی کی شرح تابدار ہے۔ یہ درست ہے کہ علوم کائنات انسانی پر عقل کی دسترس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ عقل کے مہیا کردہ علوم و فنون سے اس وقت تک خاطر خواہ فوائد و ثمرات حاصل نہیں کئے جا سکتے جب تک جذبہ عشق بے پایاں اور بے پناہ لگن سے سرشار ہو کر کام نہ کیا جائے اور تاریخ شاہد ہے کہ حصول مقصد کی خاطر جب بھی قربانی و ایثار کا وقت آیا عقل نے پسپائی اختیار کر لی جب کہ عشق نے مال و دولت کی قربانی سے لے کر متاع حیات لٹانے تک صفحہ عالم پر لازوال نقوش ثبت کئے۔ اسی لئے تو مغنی فطرت نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

صدر محترم! عقل کی ہزیمت و پسپائی اور عشق کی سرفرازی و سرخروئی کی داستانیں آج بھی مہر و ماہ کی صورت جگمگا رہی ہیں۔ جب اپنے وقت کے باجبروت اور اس دور کے سب سے طاقتور شہنشاہ نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی جرات ایمانی کا امتحان لینے کے لئے آتش نمرود دہکا کر انہیں اس آگ میں کود پڑنے کا حکم دیا تھا تو عقل نے حضرت خلیل اللہ کے دامان استقامت کو تھام کر انہیں عشق خداوندی کے تقاضوں کی بجا آوری سے روکنے کے لئے بھرپور کوشش کی تھی مگر جناب ابراہیم خلیل اللہ عقل کی تمام مصلحت آمیز چارہ گری کو ٹھکرا کر آسمان سے باتیں کرتے ہوئے آگ کے شعلوں میں دیوانہ وار کود پڑے اور پھر تاریخ عالم نے فرط حیرت سے دیکھا کہ نار نمرود ایک آن میں گلزار ابراہیم بن گئی اور عشق نے اپنی لازوال قربانی و ایثار کی بدولت حق و صداقت کی پاسدار قوتوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یوں سربلند و سرفراز کر دیا کہ

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

والا قدر! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اعلائے کلمتہ الحق سے لے کر غزوات

نبویؐ تک قدم قدم پر عشق کے معجزات اور کمالات اپنی جلوہ گری منواتے دکھائی دیتے ہیں۔ میدان کربلا میں اسلام کی عظمت و سربلندی کی خاطر نواسہ رسول امام حسینؓ کا بے مثال جذبہ شہادت، معصوم علی اصغرؓ کی جاں سپاری سے نوجوان علی اکبرؓ کے خاک و خون میں لوٹنے تک عشق کے قربانی و ایثار کی داستان کے لہو رنگ اوراق بکھرے پڑے ہیں جو دنیائے عشق کے متلاشیوں کو آج بھی یہ پیغام دے رہے ہیں کہ

صدق خلیلؑ بھی ہے عشق صبر حسینؓ بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

جناب والا! عشق دراصل اس بے پناہ جذبہ تسخیر کا نام ہے جس سے سرشار ہو کر مرد مومن تقدیر یزداں کا شاکی ہونے کے بجائے خود تقدیر یزداں میں ڈھل جاتا ہے۔ وہ راز کن فکاں سے آشنا ہو کر خودی کی عظمتوں کا امین اور خدا کا ترجمان بن جاتا ہے۔ وہ مشکلات سے کھیلنے اور حوارث سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ جب وہ مکمل طور پر آداب عشق سے آشنا ہو جاتا ہے تو غلامی میں اسرار شہنشاہی سے آشنائی حاصل کر لیتا ہے۔ بلند و بالا اہرام سے لے کر ایجادات فطرت تک اور اسرار ہستی کی گرہ کشائی سے خلا کی تسخیر تک اور پیغام صداقت کی تبلیغ و اشاعت کی خاطر جلال شاہی کا شکار ہونے والے فرزندان حق سے لے کر تختہ دار کو چومنے والے علمبرداران صداقت تک ہر جگہ عقل کی خامکاری اور عشق کی کامگاری دکھائی دیتی ہے۔

عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام
تندو سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

صدر ذی وقار! عشق کی معجزنمائیوں کے مقابلے میں عقل ہمیشہ ناکام و نامراد رہی ہے۔ لیکن تمام تر ناکامیوں کے باوجود عقل منزل عشق کے رہ نوردوں اور جادہ شوق کے مسافروں کو گمراہ کرنے کے لئے سرگرم عمل رہتی ہے اور اپنی ہر شکست پر پردہ ڈالنے کے لئے خود ہی اسباب

و عوامل تراش لیتی ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال عقل کی بالادستی اور اقلیم دل پر عقل و خرد کی حکمرانی کے خلاف ہیں۔ علامہ اقبال عقل و خرد کو ساتھ لے کر چلتے ہیں مگر سلطنت دل پر صرف عشق کی حکمرانی تسلیم کرتے ہیں۔ اس خیال کی وضاحت اقبال سے ہی سنیے۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

من کی دنیا ؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا ؟ تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن، جاتا ہے دھن

حسن ' ذہانت سے بہتر ہے

(موافقت میں تقریر)

صدر گرامی قدر! اس حقیقت کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ حسن ہی کائنات کا وقار ہے صبح ازل کے چہرے کا نور ہے کائنات کی رنگینیاں اسی سے عبارت ہیں اور مغنی وقت اسی سے متاثر ہو کر ہی دلکش نغمے الاپتا ہے زندگی اسی سے جلا پاتی اور کائنات اسی سے نکھار حاصل کرتی ہے مانی و بہزاد کے شہکاروں سے لے کر تاج محل کی انمٹ عظمتوں تک حسن کا جادو یوں سر چڑھ کر بولتا ہے کہ مادر گیتی کو یہ کہنا ہی پڑتا ہے۔

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

جناب صدر! یہ حسن صداقت ہے کہ "**و اللہ جمیل و یحب الجمال**" حسن کی عظمتوں کو سب سے بڑا خراج ہے حسن کا دائرہ اتنا وسیع اور یہ بذات خود اتنا موثر ہے کہ جو کام ذہانت ایک عرصہ میں انجام دیتی ہے وہ حسن کی ایک ہی نگاہ ناز سے چند لحوں میں ہی انجام پا جاتا ہے۔

جناب والا! ذہانت دراصل چالاکی، مصلحت اور عقل کی بھول بھلیوں کا نام ہے یہ اپنا وجود منوانے کے لئے ہر برائی کو روا سمجھتی، تباہی کے عفریت کو امن و سکون کی فاختہ کا خون پلاتی اور ذہانت کے نام پر عیاری و مکاری کے جال پھیلاتی اور پھر مصلحتوں کا روپ دھار کر تمام تباہکاریوں کو دوسروں کے نامہ اعمال میں ڈال دیتی ہے۔ جبکہ حسن جو عشق و محبت کے روحانی سہارے پر امن و سکون اور دل و نظر کے قرار کے گیت سناتا اور عقل و ذہانت کی تباہکاریوں کے کھنڈرات پر اہل نظر کو نئی بستیاں بسانے کا حوصلہ بخشتا ہے ذہانت جو کہ عقل کا نام استعمال کرتی ہے شاعر نے اس کے بارے میں درست تجزیہ کیا ہے کہ

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم

صدر محترم! مجھے اجازت دیجئے کہ میں حسن کا مفہوم وسیع معنوں میں لے سکوں۔ حسن صورت اور حسن سیرت دراصل ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں اور ایک ہی خوبصورت سچائی کے دو روپ ہیں۔ کسی نے غلط تو نہیں کہا کہ چہرہ انسان کی سیرت کا آئینہ رہا ہے ملاقات پر پہلا بھر پور تاثر چہرہ ہی چھوڑتا ہے چہرہ جتنا خوبصورت حسین و جمیل اور نقاشی فطرت کا مظہر ہو گا یہ تاثر اتنا ہی زیادہ بھرپور ہمہ گیر اور مکمل ہو گا۔

جناب والا! خدا جو کہ حسن اول ہے اس نے کائنات کو اپنے حسن کا پرتو بنا کر تخلیق کیا پھر تب و تاب جاودانہ کی جلوہ آفرینی کے لئے جذبہ عشق پیدا کیا حسن ازل اور عشق روحانی کی اسی یکجائی نے جب اپنے منطقی انجام کو چھو لیا تو قوت عشق سے ہر پست کو بالا کرنے کے لئے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حسن حقیقی کا مظہر بن کر یوں تشریف لائے کہ غالب اس مصداق یٰسین وطٰہ کے حسن عالمتاب کا تصور کر کے پکار اٹھا کہ

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قدورخ سے ظہور کی۔

صدر محترم! نبی کریمؐ صاحب لولاک ہیں تمام انبیاء کے محاسن کے مقابلہ میں آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری کے مصداق ہیں آپ کا حسن صورت اور حسن سیرت مثالی حیثیت کے حامل ہیں جب آپ کے خوبصورت لبوں سے قوموں کی تقدیر بدلنے والے حسین الفاظ ادا ہوئے تو آفاقی اقدار وجود میں آگئیں اور زمانہ سر عجز و نیاز خم کئے آپ کے قدموں پہ جھک گیا کیا یہ غلط ہے کہ

تری صورت تری سیرت ترا نقشہ، ترا جلوہ
تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

جناب صدر! آپ کے حسن صورت، حسن سیرت، حسن تکلم، حسن تبسم نے ایک زمانہ غلام بنا لیا کفار کی تمام تر ذہانتیں، عقل آفرینیاں جنہیں وہ ذہانت کا نام دیتے تھے ناکام ہو گئیں اور

"واللہ متم نورہ و لو کرہ الکفرون" کے مصداق جناب محمد مصطفیٰؐ کے حسین لبوں سے
پھوٹنے والی زندگی آفریں مسکراہٹ کا نور ذہانت اور مکرو فریب کی ظلمتوں پر غالب آ کر رہا۔
جناب والا! حسن ایک سیدھی سادی سچائی اور آفاقی حقیقت ہے اسے اپنا وجود منوانے کے
لئے ذہانت کی طرح ملمع سازیوں کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ یہ کھرے سونے کی طرح ہر کھوٹ
سے پاک ہوتا ہے۔

صدر محترم! آپ تاریخ انسانیت کا جائزہ لیجئے تو آپ کو بخوبی احساس ہو جائے گا کہ ذہانت نے
دنیا کو تباہی و بربادی کا گہوارا بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی یہ تباہ کن جنگیں جنہیں آپ
کشور کشائی کا نام دیتے ہیں یہ تاج و تخت کے مکروہ کھیل جنہیں آپ سیاست سے تعبیر کرتے
ہیں انسانی زندگی کے امن و سکون کو چشم زدن میں تہ و بالا کر دینے والے مہلک ہتھیار جنہیں
آپ ایجادات قرار دیتے ہیں انسانی زندگی کو اجاڑ کر چاند ستاروں کا حسن مجروح کرنے کی
کوششیں جنہیں آپ خلا کی تسخیر سمجھتے ہیں آخر سب کیا ہے ذہانت خود ہی ان تباہ کاریوں کے
اسباب مہیا کرتی ہے اور اپنی چالاکی سے اسے مختلف نام بھی دے لیتی ہے کیا ستم ہے کہ

آپ ہی ذبح کرے اور لے ثواب الٹا

جناب صدر! یہ تاریخی ہی نہیں بلکہ ازلی و ابدی صداقت ہے کہ اگر کائنات میں حسن اور پھر
اس کی وساطت سے عشق کا وجود نہ ہوتا تو زندگی اپنے حقیقی حسن سے محروم ہوتی' نہ تو لافانی
شہکار قرطاس و قلم کی زینت بنتے' اور نہ ہی مقصد سے لگن اور بھرپور محنت کا جذبہ ابھرتا۔ نہ
کوئی راہ حق و صداقت پہ گامزن ہونے کی کوششیں کرتا اور نہ ہی کوئی دولت ایمان و یقین کا
خریدار بنتا۔ نہ تو کوئی خلیلؑ اللہ آتش نمرود میں بیتابانہ لپکتے اور نہ ہی کوئی حسینؓ کربلا میں
خاندان نبوت کا خون بہا کر اسلام زندہ کرنے کی کوششیں کرتے ...... مختصریوں سمجھئے کہ اگر
حسن اپنا وجود نہ منوا تا تو یہ ہنستی کھیلتی کائنات شہر خموشاں بن چکی ہوتی۔

عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفیٰؐ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کام

جناب والا! مجھے اجازت دیجئے کہ ان دلائل کی روشنی میں اس قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے
یہ کہہ سکوں کہ..... "حسن ذہانت سے بہتر ہے"۔

حسن ذہانت سے بہتر ہے

(مخالفت میں تقریر)

صدر گرامی قدر! مجھے آج اس ایوان میں پیش کردہ قرارداد کی مخالفت میں کچھ عرض کرنا ہے ذہانت و تدبر اور فہم و شعور کسی بھی قوم کا سرمایہ افتخار ہوتے ہیں۔ ذہانت بنی نوع انسان کے لئے قدرت کا ایسا عطیہ ہے کہ جس کی بدولت انسانی زندگی اپنے عروج کو چھو لیتی ہے ابتدائے آفرینش سے آج تک ذہانت کہاں کہاں جلوہ گر نہیں ہوئی ذہانت نے علاقے آباد کئے' چمنستان حیات کو شادابی بخشی' انسانی زندگی کو رنگیں اور کیف آور بنانے کے سامان مہیا کئے' علوم و فنون کو ترقی بخشی' تخیل کو پر پرواز عطا کئے اشیب فکر کو جولانی اور انسانی شعور کو وہ رفعت بخشی کہ وہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے لگا۔

جناب والا! حسن لاکھ دلاویز و دلکش سہی ذہانت کی عالمگیر اور ابدی حقیقت کے سامنے کوئی مقام نہیں رکھتا۔ ذہانت کے ماہ درخشاں کے سامنے حسن کے چراغ یوں بجھ جاتے ہیں جیسے سورج کے نمودار ہو جانے پر شمع سحر اپنا وجود کھو بیٹھی ہے۔ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ حسن نے ہمیشہ ذہانت و تدبر کے کئے کرائے پر پانی پھیرنے کی کوشش کی ہے۔ خداداد فہم و تدبر اور ذہانت کی بدولت ترقی کی معراج سے ہمکنار اقوام کو پستی و ذلت کی گہرائیوں میں گرا دینے میں حسن و عشق کی آویزشوں کا نمایاں ہاتھ رہا ہے تاریخ کے مختلف ادوار میں نہ معلوم کتنی قلوپطرائیں قوموں کی تقدیر بگاڑتیں اور ان کی بربادیوں کو اپنے حسن کا خراج سمجھ کر قبول کرتی رہی ہیں۔

جناب صدر! حسن ظاہری دلارائی کا نام ہے جبکہ ذہانت باطنی سیرت کا کمال ہے حسین چہرے چند لمحوں کے لئے متاثر تو ضرور کرتے ہیں لیکن اگر یہ ذہانت اور تدبر سے محروم ہوں تو جلدی کاغذی پھولوں کی طرح اپنی دلاویزی کھو بیٹھتے ہیں اور ذرا سی دیر کے لئے ان سے متاثر ہونے والا یہ سوچ کر ہمیشہ کے لئے ان سے متنفر ہو جاتا ہے کہ

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

دوسری جانب کے مقررین حسن کی عظمتوں کے ترانے گاتے نہیں تھکتے لیکن انہیں یہ امر ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جہاں بھی حسن نے کوئی نمایاں کامیابی حاصل کی ہے وہ تمام ذہانت کی مرہون منت تھی ورنہ ذہانت کے بغیر حسن ایسے ہی ہے جیسے بینائی سے محروم انسان۔

صدر محترم! ذہین انسان قوموں کے مقدر بدل کر رکھ دیتے ہیں ذہانت پہاڑوں کی چوٹیاں ہی سر نہیں کرتی بلکہ قوموں کی جدوجہد آزادی کو کامیابی سے ہمکنار بھی کرتی ہے آزادی کے ابتدائی مرحلوں سے لے کر عروج و ارتقا کی آخری منازل تک ذہانت قدم قدم پر اس قوم کی دستگیری کرتی ہے۔

لیکن جناب صدر! جب قدرت کو اسی قوم کی تباہی مقصود ہوتی ہے تو بساط سیاست پر حسن و عشق کی جلوہ گری اپنے لوازمات شراب و شباب کے ساتھ یوں ہوتی ہے کہ عروج و اقبال کی منازل پر فائز یہی قوم نہایت ہی ذلت کے ساتھ زوال و ادبار کی گہرائیوں کو چھونے لگتی ہے اور مورخ کا قلم اس عبرتناک انجام پر اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

صدر محترم! حسن و عشق کی تباہ کاریوں کی بدولت زوال و ادبار کی یہ داستانیں کہاں کہاں نہیں دہرائی گئیں مصر کی قدیم تہذیب کے کھنڈرات سے پوچھئے تاریخ کے ایوانوں میں طویل عرصہ تک اپنی عظمت کے نقوش ثبت کرنے والے عباسی خلفاء کی ارواح سے پوچھئے اندلس میں عظمت اسلامی کے مدفن سے سوال کیجئے سلطنت مغلیہ کی متاع گم گشتہ سے استفسار کیجئے اگر ماضی بعید سے لاشعوری خوف محسوس ہوتا ہو تو سقوط ڈھاکہ کے محرکات تلاش کیجئے آپ کو زوال و ادبار کے ان عبرت کدوں سے ایک ہی آواز سنائی دے گی کہ جو بازی ہم نے ذہانت و تدبر فہم و شعور اور خداداد صلاحیتوں کی بدولت جیتی تھی وہ ہم نے حسن و عشق اور شراب و شباب کے نشہ میں یوں ہار دی کہ

ہماری داستان تک بھی نہیں ہے داستانوں میں

جناب والا! بساط دہر پر جتنے مصلحین اٹھے انہوں نے اعلیٰ سیرت و کردار ذہانت و تدبر اور فہم و شعور سے کائنات کو مسخر کیا۔ ایک بھی مثال ڈھونڈیئے کہ کسی ذہانت سے محروم حسین چہرے نے قوم کی بگڑی ہوئی تقدیر سنواری ہو دوسری جانب دیکھئے تو بے شمار ایسے فرزندان گیتی مختلف ادوار میں اپنے لافانی نقوش صفحہ ہستی پر چھوڑ گئے جو صورت کے لحاظ سے قطعاً "حسین نہ تھے لیکن اپنی اعلیٰ سیرت اور خداداد ذہانت کی بدولت کائنات انسانی کے لئے باعث افتخار بن گئے۔

صدر والا قدر! اگر ظاہری حسین و جمال ہی وجہ افتخار ٹھہرتا تو کالے کلوٹے بلال حبشیؓ موذن رسول بن کر بھی وہ مقام حاصل نہ کرتے کہ جلیل القدر صحابہ کرام انہیں سیدنا کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے اگر ظاہری خوبصورتی ہی معیار عظمت ٹھہرتی تو صہیبؓ رومی اور سلمانؓ فارسی کبھی بھی اپنے وقت کے عظیم معاشرے میں بلند ترین مقام حاصل نہ کرتے۔

جناب والا! یہ تمام حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ حسن ذہانت کے بغیر بیکار ہے جبکہ ذہانت حسن و جمال سے محروم ہو کر بھی اپنا غیر فانی مقام دیرپا تاثر اور دلوں کی گہرائیوں میں اتر جانے والی ہمہ گیری رکھتی ہے حسن ایک عارضی تاثر ہے جبکہ سیرت و کردار اور ذہانت و تدبر دائمی اثر انگیزی رکھتے ہیں حسن فانی ہے جبکہ ذہانت لافانی ہے حسن کا تاثر محدود ہے جبکہ ذہانت لامحدود حسن صرف نگاہوں کو متاثر کرتا ہے جبکہ ذہانت دل و دماغ پر خوشبو کی طرح چھا جاتی ہے صدر محترم مجھے اجازت دیجئے یہ کہتے ہوئے اس قرارداد کی مخالفت کر سکوں کہ

سرخ و سفید مٹی کی مورت ہوئی تو کیا
سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا

جس کی لاٹھی اس کی بھینس

(حمایت)

صدر گرامی قدر! میں آپ کی وساطت سے آج کے معزز ایوان میں یہ قرارداد پیش کر رہا ہوں کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"

جناب والا! جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے نام سے پیش کی جانے والی قرارداد صرف ایک محاورہ یا مقولہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک تاریخی اور ابدی حقیقت ہے آغاز کائنات سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ طاقتور اپنے حقوق تسلیم کروالیتا ہے جبکہ کمزور نہ تو اپنے حقوق کی آواز اٹھا سکتا ہے اور نہ ہی اپنے موثر وجود کا احساس دلا سکتا ہے عظمت و بالادستی عطیہ خداوندی ہے اور اس کا اظہار عین منشائے قدرت ہے۔

والا قدر! آج کی قرارداد ظلم و ستم اور تشدد کی علامت نہیں بلکہ اس سے افراد ملت اور اقوام عالم کو یہ سبق ملتا ہے کہ اگر اس دنیا میں زندہ رہنا چاہتے ہو تو باوقار انداز سے زندہ رہو سر جھکا کر نہ چلو بلکہ سر اٹھا کر آداب زندگی سے شناسائی کا ذوق پیدا کرو۔

ذی وقار! حقوق کے حصول کا مسئلہ ہو یا انسانی عزت و وقار کا سوال ذاتی مفادات کی تکمیل کا خیال ہو یا قومی مفادات کی بالادستی کا تصور ان میں سے کوئی تصور بھی اس وقت تک حقیقت میں نہیں ڈھل سکتا جب تک اس کے لئے آواز بلند کرنے والے قوت و طاقت سے آشنا اور عظمت و جلالت کے پیکر نہ ہوں گے انسانی زندگی کے ارتقا سے لے کر غلامی و محکومی کے خاتمے تک ہر میدان میں جرات رندانہ کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ

خود بخود ٹوٹ کے گرتی نہیں زنجیر کبھی
بدلی جاتی ہے بدلتی نہیں تقدیر کبھی

جناب والا! بازوؤں میں قوت اور جسم میں طاقت ہو تو دنیا میں بڑی سے بڑی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے یہ طاقت جسمانی بھی ہو سکتی ہے اور شوکت سلطانی بھی دولت و امارت کی بھی ہو سکتی ہے اور جاہ و اقتدار کی بھی تاریخ انسانی کا ایک ایک ورق ہیں یہ پیغام دیتا ہوا محسوس ہوتا

ہے۔

صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

والا قدر! مجھے احساس ہے کہ قائد حزب اختلاف اور ان کے ساتھی اس قرارداد کو باطل قرار دینے میں پوری قوت صرف کریں گے لیکن ان سے پوچھئے کہ یہ نظریہ کب اور کہاں کار فرما نہیں رہا ہر دور اور ہر معاشرہ میں جس کی لاٹھی ہو وہی بھینس کا حق دار ٹھہرتا ہے قائد حزب اختلاف کو یاد ہونا چاہئے کہ جب انسان تہذیب سے ناآشنا تھا تو اسی نظریہ کی حکمرانی تھی تاریک غاروں میں یہی نظریہ عزت و وقار کا باعث تھا اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی اسی نظریہ کی جلوہ گری ہے۔

صدر محترم! بخت نصر کے دور حکومت سے سکندر اعظم کی کشور کشائیوں تک چنگیز خان کی دشت پیمائیوں سے تیمور اور نادر شاہ کی جنگ آزمائیوں تک ہر جگہ قوت و طاقت کی بالادستی کا اظہار ہوتا ہے تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب تک مسلمان قوت و طاقت کے لحاظ سے بے مثال تھے زمانے میں ان کا سکہ چلتا تھا لیکن جب وہ کمزور ہو گئے تو زمانے نے مسلم اقوام کی شان و شوکت کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ عباسیوں اور امویوں کی کشمکش کو چھوڑیئے غرناطہ اور اشبیلیہ کے قبرستانوں میں مدفون اسلامی شوکت و عظمت سے سوال کیجئے یورپ کے کلیساؤں میں گونجنے والی اذانوں کے تقدس کو یاد کیجئے' اندلس کے ساحل پر اترنے والے مجاہدین کے جوش و خروش اور ہیبت و جلالت کا تصور کیجئے ہر جگہ یہی اصول نظر آئے گا کہ جب تک مسلمان کے ہاتھ قبضہ شمشیر پر رہے زمانہ ان کے قدموں تلے لوٹتا رہا مگر جب یہی مسلمان قوت و شوکت سے بیگانہ ہو گئے تو ماضی کا ایک افسوسناک باب بن گئے۔

جو قوت ہاتھ میں تھی صاحب تقدیر تھا مسلم
چھنی قوت تو دنیا بھر میں بے توقیر تھا مسلم

والا مرتبت! طاقت مانی نہیں جاتی بلکہ منوائی جاتی ہے یاد رکھیئے کہ اصول ہمیشہ طاقتور بناتے ہیں جبکہ کمزور انہیں تسلیم کرتے ہیں اور کمزوریوں کی بدولت انہیں رواج دیتے ہیں۔ کمزور و

ناتواں کبوتر کے آنکھیں بند کر لینے سے طاقت و قوت کی علامت بلی چلی نہیں جاتی بلکہ اسے لقمہ اجل بنا دیتی ہے۔

عالی وقار! ذرا قومی افق پر نگاہیں گاڑ کر اپنے چاروں طرف دیکھیے حالات و واقعات جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول منوا رہے ہیں۔ امریکہ اور روس تو ایک طرف تیس لاکھ کی آبادی پر مشتمل حکومت اسرائیل ایک ارب سے زائد مسلمانوں کو ناکوں چنے چبوا رہی ہے یہ چھوٹی سی اقلیت قبلہ اول پر قبضہ کر کے غیر معمولی مسلم اکثریت کو خون کے آنسو رلوا رہی ہے۔ یہ محض اس لئے ہے کہ اسرائیل نے قوت و طاقت کی لاٹھی اٹھا رکھی ہے جبکہ مسلم ممالک ہمارے قائد حزب اختلاف کی طرح ابھی تک بحث میں مصروف ہیں کہ جس کی لاٹھی ہو اسے بھینس چھین کر لے جانے کا حق بھی ہے یا نہیں۔

جناب والا! خطرات ہماری سرحدوں پر دستک دے رہے ہیں۔ ہنود اور یہود کی سازشیں ہماری عزت و حمیت کی شہ رگ پر پنجے گاڑنے کے لئے بہانے تلاش کر رہی ہیں۔ مگر ہمارے قائد حزب اختلاف اور ان کے ساتھی ان مفروضوں میں الجھے ہوئے ہیں کہ یہ حملہ آور ان کے وعظ و تلقین یا نرم و نازک اصولوں کے پرچار سے بہل جائیں گے۔

صدر ذی وقار! "زور اور دا ستیں ویں سو" کے مطابق طاقتور کی ہر بات مانی اور تسلیم کی جاتی ہے افغانوں اور فلسطینیوں کی حالت زار سے لے کر کشمیر و قبرص تک ہم ہر جگہ اپنی کمزوریوں کی مار کھا رہے ہیں۔ سلامتی کونسل کا ایوان ہماری کمزوریوں اور طاقتوروں کی بالادستی کا حیرت انگیز فسانہ سنا رہا ہے ہمارا ماضی شاہد ہے کہ جب ہم قائد حزب اختلاف کی طرح اپنی کمزوریوں کو خوشنما اصولوں کا جامہ پہنا رہے ہوتے تھے تو ہمارا طاقتور حریف اپنی طاقت و قوت کی لاٹھی کے سہارے ایک اور فیصلہ کن جنگ کا فیصلہ کر رہا ہوتا تھا۔

والا قدر! اگر آج ہم باوقار انداز سے انفرادی اور قومی طور پر سربلند زندگی کا پرچم لہرانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی کمزوریوں کو چھوڑنا ہوگا۔ اور اپنے بازوؤں میں اتنی قوت پیدا کرنا ہوگی کہ ہم عظمت اسلاف کے نام پر قوت و غیرت کی لاٹھی اٹھا سکیں اور ایسی طاقت بن جائیں جو ہر قوت باطل کو مٹا ڈالے جب ہمارے بازوئے شمشیر زن میں قوت ہوگی تو منزل مراد ہمارے قدم

چومے گی اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی قرارداد بھی مسلمہ دکھائی دے گی۔

جناب والا! اسلام تو خود قوت عمل اور شوکت جہاد کا درس دیتا ہے اسلام نے کبھی نکمے پن اور بے عملی کی تلقین نہیں کی بلکہ اسلام تو اہل ایمان کو سر اٹھا کر چلنے اور کفار کے دلوں پر رعب طاری کر دینے والے باوقار انداز کا پیغام دیتا ہے اسلام دین فطرت ہے اور دین فطرت قوت و طاقت کے فطری اصول سے کس طرح دور رہ سکتا ہے اقبال کے لفظوں میں اسی حقیقت کی جلوہ گری دیکھئے۔

وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

ذی وقار! انہی الفاظ اور دلائل کے ساتھ میں آج کے ایوان میں یہ قرارداد پیش کر رہا ہوں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"

جس کی لاٹھی اس کی بھینس

(مخالفت)

صدر گرامی قدر! میں آپ کی اجازت سے قائد ایوان کی طرف سے اس ایوان میں پیش کردہ قرارداد کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے عنوان سے پیش ہونے والی قرارداد ہر لحاظ سے انسانی اقدار کے منافی اثرات پیش کرتی ہے۔

جناب والا! مقام افسوس ہے کہ قائد ایوان اس اسلامی ملک کے معزز ایوان میں کھڑے ہو کر ایسی قرارداد پیش کر رہے ہیں جو صرف اسلامی نظریات کی سربلندی کے لئے وجود میں آیا تھا یہ ملک اسلام کا فیضان ہے وہ اسلام جو کمزوروں کا سہارا بے چاروں کا چارا دکھیوں کا مددگار اور زمانے بھر کے دھتکارے ہوئے انسانوں کا غمگسار ہے اور جو زمانے بھر کو رحمت و محبت کی سوغات تقسیم کرنے کے لئے فاران کی چوٹیوں سے نہر علم و حکمت بن کر ابھرا تھا۔

والا مرتبت! آج کی قرارداد قائد ایوان اور ان کے ساتھیوں کی غلط سوچ اور فکری کج روی کی دلیل ہے قائد ایوان قابیل کے ہاتھوں ہابیل کے قتل کو انسانیت کا المیہ قرار نہیں دیتے بلکہ قابیل کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اگر دنیا میں صرف قابیل جیسے جلاد صفت انسانوں کا وجود ہوتا تو انسانیت کا مستقبل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تاریک ہو جاتا مگر نہیں قدرت قائد ایوان کی طرح ظلم و تشدد کی علمبردار نہیں بلکہ وہ تو ظلم و تشدد کے صحراؤں میں رحمت بے کراں کے گلہائے رنگا رنگ کھلاتی ہے اس لئے قدرت جہاں ظلم و ستم کی لاٹھی اٹھا کر امن عالم کی بھینس پر قبضہ کرنے والوں کو عارضی قوت دے کر ان کے ظرف کا امتحان لیتی ہے وہاں قدرت ان کے ظلم و تشدد کے آتش کدہ نمرودی کو گلزار ابراہیمی میں تبدیل کرنے کے سامان بھی پیدا کر دیتی ہے۔

جناب والا! آج کی قرارداد کو قوت و طاقت کا نام دے کر قائد ایوان دراصل ظلم و تشدد اور سفاکی و بہیمیت کا پرچار کر رہے ہیں طاقت تو صبر و تحمل سکھاتی ہے ظلم و تشدد پر نہیں اکساتی طاقت ظرف سے بہرہ ور کرتی ہے جبکہ دوسروں کی بھینس حاصل کرنے کیلئے لاٹھی اٹھانے

والے طاقت کے علمبردار نہیں بلکہ غاصب اور لٹیرے کہلاتے ہیں غاصبوں اور لٹیروں کو خوشنما نام دے کر قائد ایوان ان کے بدترین کردار اور مکروہ عزائم کی پردہ پوشی نہیں کر سکتے۔
والا قدر! قائد ایوان نے اپنی قرارداد کے حق میں دلائل دیتے ہوئے تاریخ کا چہرہ مسخ کرنے کی کوشش کی ہے وہ بخت نصر سکندر اعظم چنگیز اور ہلاکو کو طاقت و جرات کا پیکر قرار دیتے ہیں حالانکہ تاریخ نے ان ظالم اور سفاک فاتحین کے ہاتھوں ہونے والی تباہی و بربادی کو ہمیشہ نفرت کی نگاہوں سے دیکھا ہے انسانی کھوپڑیوں کے مینار بنانے والے کاسہ سر کو ساغر بنا کر شراب پینے والے اور مظلوموں کے خون سے صحراؤں کو سیراب کرنے والے تاریخ میں ہمیشہ بدترین الفاظ سے یاد کئے گئے ہیں اگر ہمارے قائد ایوان کے بقول چنگیز اور ہلاکو جیسے سفاک حکمران واقعی طاقت کی لاٹھی اٹھا کر منشائے قدرت کے مظہر بنے ہوئے تھے تو پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد ان کے جانشینوں نے ان کے ہاتھوں ہونے والی تباہی و بربادی سے بیزاری کا اظہار کرنے کے لئے اسلام کے دامن امن و سلامتی میں کیوں پناہ لی تھی کہ اقبال کو یہ کہنا پڑا

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

صدر والا قدر! اگر "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" والا فارمولا صحیح تھا تو انبیائے کرام اور صالحین امت نے ہمیشہ ظلم و تشدد کا بازار گرم کرنے والوں کے خلاف آواز کیوں اٹھائی اگر یہ ظلم و تشدد عین قدرت کا تقاضہ ہے تو پھر قدرت نے اس ظلم و تشدد کی کوکھ سے دائمی سلامتی کو کیوں جنم دیا۔

صدر ذی وقار! اگر قائد ایوان کی طرف سے آج کی پیش کردہ قرارداد برحق ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم انسانیت کے نجات دہندہ بن کر کائنات میں تشریف نہ لاتے ابوجہل اور دوسرے عرب امراء معزز قائد ایوان کے بقول "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے مصداق بن کر قدرت کے تقاضوں کی تکمیل کر رہے تھے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مظلوم و مجبور انسانوں کے حق میں آواز کیوں اٹھائی اور اگر عرب کی سرزمین پر طاقت کے بل

پر تباہی و بربادی کا بازار گرم کرنا منشائے قدرت تھا تو پھر بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول کیوں غالب آکر رہے ہے کیونکہ اسلام تو مظلوم و مقہور انسانوں کو وقار دینے کے لئے آیا تھا۔

جناب والا! تاریخ اسلام پکار پکار کر اپنی جھوٹی طاقت کی لاٹھی کو خدا کی قوت سمجھنے والوں کے بد ترین انجام کی طرف اشارہ کررہی ہے اگر طاقتور کا ہر فعل درست اور تقاضائے ربی ہے تو پھر ہم یزید کے خلاف نفرت کا اظہار کیوں کرتے ہیں اگر ظالم اور طاقتور کی قوت منشائے خداوندی ہے تو ہم امام مظلوم حضرت امام حسینؓ کی داستان مظلومیت کو متاع ایمان و یقین کیوں قرار دیتے ہیں کارزار کربلا میں امام مظلومؓ کی بے مثال قربانی دراصل سلامتی کے اصولوں کی فتح اور ظلم و تشدد کی دائمی شکست کا عنوان ہے اور اس داستان لہو رنگ کا ایک ایک ورق ہمیں یہ پیغام دے رہا ہے کہ

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسینؓ کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

صدر محترم! "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا اصول اگر صحیح اور برحق ہوتا تو جس انسان کو ذرا سی قوت حاصل ہو جاتی وہ دوسرے پر حملہ آور ہو چکا ہوتا اگر ایسا ہو جاتا تو پھر عالم انسانیت مکمل طور پر قتل و غارت اور خانہ جنگی کی لپیٹ میں آجاتا اگر یہ نام نہاد اصول ہی متاع کامیابی ہوتا تو قائد ایوان اپنے ساتھیوں سمیت اپنے مقابل حزب اختلاف پر حملہ آور ہو چکے ہوتے لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ قائد ایوان کو یہ احساس ہے کہ ان کا یہ فعل تہذیبی و اخلاقی لحاظ سے نفرت و بیزاری کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا قائد ایوان کی یہ جھجک دراصل ان کی قرارداد کی صداقت کی نفی کرتی ہے۔

جناب والا! یہی اصول انفرادی طور پر ہی نہیں بلکہ اجتماعی طور پر بھی کار فرما ہے چند استبدادی طاقتوں کو چھوڑیئے آپ کو بیسیوں ایسے ممالک نظر آئیں گے جو قوت و طاقت رکھتے ہوئے بھی کمزور ممالک کی آزادی و خود مختاری کا احترام کرتے ہیں دنیا کے اربوں انسان آج کی اس غلط قرارداد سے عملی بے زاری کا احساس دلاتے ہوئے انسانی اقدار کے فروغ اور سربلندی

کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔ اگر قائد ایوان کی یہ قرارداد وقت کا فیصلہ بن چکی ہوتی تو وہ اس اطمینان سے یہاں دلائل نہ دے رہے ہوتے بلکہ ان کو گھر سے نکلنے سے پہلے سو مرتبہ پڑوسیوں کی لاٹھیوں کی قوت کا جائزہ لینا پڑتا کہ کہیں ان میں سے کسی کی لاٹھی ان کے خلاف قدرت کا فیصلہ بن کر ان کے امن و سکون کی بھینس پر قبضہ تو نہیں کر لے گی۔

صدر محترم! قائد ایوان کا اطمینان یہی ظاہر کرتا ہے کہ کاروان زندگی کی منزل امن و سلامتی کی طرف مسلسل پیش قدمی سے بھی یہی احساس ہوتا ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول خود ساختہ بالکل غلط اور اقدار انسانی کے ساتھ مذاق کے مترادف ہے قائد ایوان نے بار بار غیر ملکی جارحیت کا حوالہ دے کر اپنی قرارداد کو برحق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ روس و امریکہ یا ہنود اور یہود کے مقابلہ کے لئے ہمیں مادی قوت سے کہیں زیادہ قوت ایمانی اور شوکت روحانی کی ضرورت ہے کیونکہ جس قوم کے افراد میں قوت ایمانی پیدا ہو جائے اس کے افراد کی نگاہ آفاقی فکر اخلاقی اور پرواز لولاکی ہو جاتی ہے۔

حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمار جہاں تو ہے
تری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی
جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

جناب والا! انہی دلائل کے ساتھ میں اجازت چاہتا ہوں کہ اس قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہہ سکوں کہ آج کی قرارداد ہر لحاظ سے گمراہ کن اور غلط ہے۔

تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال

(حمائت میں دلائل)

صدر گرامی قدر! مجھے آپ کی اجازت سے آج کے ایوان میں پیش ہونے والی قرارداد کی حمائت میں کچھ کہنا ہے یہ حقیقت اپنی جگہ کتنی تلخ سہی اس کی صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تہذیب کی ترقی اخلاقی اقدار کا گلا گھونٹ دیتی ہے اور بالآخر انسانی زندگی شرم و حیا اور شرافت و اخلاق جیسے اوصاف سے محروم ہو جاتی ہے کسی بھی معاشرے میں تہذیب کا ارتقا اور اخلاق و شرافت کا زوال اس انداز سے ہوتا ہے کہ قوم کو اپنی متاع گراں مایہ کے چھن جانے کا احساس تک نہیں ہوتا تہذیب کی عارضی چکا چوند نمائشی حسن دکھلاوے کی افادیت اور خارجی رعنائی کسی بھی معاشرے اور قوم کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے لیکن جب یہی در آمدہ شدہ تہذیب مکمل معاشرتی اور سماجی نظام کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے تو اس عہد کے مورخ کا قلم اس تہذیب کے کمال سے بہرہ ور قوم کے اخلاقی و فکری لحاظ سے دیوالیہ ہو جانے کا نوحہ قلم بند کرنے لگتا ہے اور کوئی دانائے راز پکار اٹھتا ہے۔

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

جناب صدر! تمام مورخین اور ابنائے تہذیب اس امر پر متفق ہیں کہ جب تک ایک قوم عرصہ پیکار میں رہی ہے اس وقت تک وہ تہذیب اور اس کے لوازمات سے آشنا ہوتی ہے اس وقت وہ قوم آرٹ کلچر' مصوری' شاعری' لٹریچر اور تہذیب کے دیگر پہلوؤں تک رسائی نہیں رکھتی لیکن تہذیب اور اس کے لوازمات سے قطع نظر وہ قوم اوصاف حمیدہ اور اخلاق انسانی کا بہترین نمونہ ہوتی ہے اور اس کے افراد ایک دوسرے کے دکھوں کا احساس رکھتے ہیں۔

لیکن جناب والا! جب یہی قوم کسی منزل پر ستانے کو رکتی ہے تو تہذیب اس کے اعصاب کو

تھپک تھپک کر شل کرنا شروع کر دیتی ہے اور پھر وہ قوم جو دست قضا میں صورت شمشیر ہوتی ہے جس کے افراد رزم حق و باطل میں فولاد شکن ہوتے ہیں اپنے ماضی سے ناطہ توڑ کر تہذیب کے کمال میں ہی قومی ترقی سمجھ بیٹھتی ہے قبضہ شمشیر تھامنے والے ہاتھ آلات موسیقی پر رقصاں ہو جاتے ہیں اور جب تہذیب کو کمال حاصل ہوتا ہے تو صرف شرافت ہی رخصت نہیں ہوتی بلکہ وہ قوم جسمانی و روحانی طور پر زوال و انحطاط کا شکار ہونے لگتی ہے نوشتہ تقدیر بے لاگ حقیقت بن جاتا ہے کیونکہ

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

جناب والا! شاعر مشرق نے تہذیب کے اسی کمال اور قوموں کے زوال کا بارے میں فرمایا تھا کہ

اے لا الہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ کردار قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

جناب صدر! آج کے دور میں تہذیب کا مرکز یورپ ہے تہذیب حاضر کے پرستاروں کے نزدیک وہاں تہذیب کو کمال حاصل ہے وہاں چاند ستاروں پر کمندیں ڈالی جا رہی ہیں۔ نئی دنیائیں دریافت کی جا رہی ہیں۔ ایٹم کے ذرات سے بنی نوع انسان کی تعمیر و تخریب کے شیطانی منصوبے بنائے جا رہے ہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ناقابل تردید ہے کہ وہ لوگ ستاروں پر کمندیں تو ڈال سکتے ہیں مگر کسی دکھی دل کی دنیا میں جھانکنے کی ہمت نہیں کر سکتے وہ نئی دنیائیں بسانے کی فکر میں ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی پرانی دنیا اخلاق و شرافت کے لحاظ سے کس قدر ویران ہے۔

جناب والا! علامہ اقبال بلاشبہ سمجھتے تھے کہ تہذیب' اتحاد کی علمبردار ہے اور جو تہذیب خدا شناسی اور خدا خوفی سے عاری ہو اس کے پیروکار کس طرح اخلاق و شرافت کے پاسدار ہو

سکتے ہیں۔ علامہ سمجھتے تھے کہ

لبالب شیشہ تہذیب حاضر ہے مئے لا سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیانہ الا

اس لئے علامہ اقبال خدا کے وجود سے منکر اور خدا کے خوف سے بے نیاز تہذیب کے کمال میں شرافت کا زوال سمجھتے تھے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ خدا کی عظمت اور روحانی اقدار کے منکر خدا کے قوانین و آئین کی پابندی نہیں کر سکتے۔ تہذیب کے کمال کا مرکز یورپ شرافت کے زوال کا سب سے بڑا نمونہ بن چکا ہے۔ وہاں اخلاق ایک ناقابل قبول لفظ ہے۔ شرافت کمزوری کا دوسرا نام ہے۔ وہاں حیا اور غیرت بے معنی لفظ بن چکے ہیں۔ شراب اور بے حیائی نے انہیں جائز و ناجائز کے تصور سے بے نیاز کر دیا ہے۔

جناب صدر! اخبارات کے صفحات پر تہذیب کی وہ غارت گری ابھی کل کی ہی بات ہے کہ تہذیب کے مرکز کمال یورپ میں چند گھنٹوں کے لئے بجلی فیل ہو گئی تو بے حیائی اور غنڈہ گردی کا وہ بازار گرم ہوا کہ شیطان نے بھی آپنے ظلمت کدے میں پناہ مانگی ہو گی۔ اس دوران نیویارک میں بدکاری اور شیطنت کا جو کھیل کھیلا گیا وہ تہذیب کے کمال کا ہی انعام تھا۔

اس تہذیب نے بڑی بڑی ڈگریوں اور اعلیٰ علمی امتیازات رکھنے والے تعلیمی بزرجمہر تو پیدا کئے ہیں لیکن ان کی ڈگریوں کی فہرست جس قدر طویل ہے ان کے سینے اسی قدر کھوکھلے اور دل ایمان کی روشنی سے محروم ہیں۔

جناب والا! ان حقائق کی روشنی میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں آج کی قرارداد کی حمائت کر سکوں۔ اور کہہ سکوں کہ تہذیب کا کمال شرافت کا زوال ہے۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال

(مخالفت میں دلائل)

صدر گرامی قدر! آپ کی وساطت سے میں ایوان میں پیش ہونے والی قرارداد کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں آج اس ایوان میں مسلسل یہی رٹ لگائی جا رہی ہے کہ تہذیب کے کمال سے شرافت کو زوال آجاتا ہے ہمیں یہ غور کرنا ہوگا کہ آخر تہذیب کیا ہے کہ جس کے کمال سے معزز قائد ایوان کو شرافت کے زوال کا خدشہ لاحق ہے ارسطو کے الفاظ میں "تہذیب انسان کی خودشناسی کا دوسرا نام ہے یہ وہ ذریعہ ہے کہ جس سے انسان خود کو جس قدر پہچانتا ہے اتنا ہی اسے معاشرتی زندگی میں دوسروں کے مقام سے آشنائی ہوتی ہے" نامور مسلمان مفکر اور تاریخ دان ابن خلدون کے خیال میں "تہذیب وہ رشتہ و پیوند ہے جو سماجی زندگی میں فرد کو معاشرتی حقوق و فرائض سے آگاہ ہی نہیں کرتا اس کی انفرادی اخلاقی و تمدنی صلاحیتوں کو بھی جلا بخشتا ہے۔"

جناب صدر! ان ممتاز مفکرین کے نتیجہ فکر سے قطع نظر آپ اب تک کی عمرانی تاریخ کے کسی بھی مفکر کی تہذیب کے بارے میں آخری رائے کا مطالعہ کیجیے تو وہ بھی ان سے ملتی جلتی ہوگی ۔اب اگر بیشتر مسلمہ مفکرین کے مطابق تہذیب خود شناسی مقام آدمیت سے آگاہی دوسروں کے حقوق کی پاسداری اور اخلاقی و تمدنی صلاحیتوں سے بہرہ وری کا ہی دوسرا نام ہے تو پھر اس تہذیب سے شرافت کو کس طرح زوال آسکتا ہے اور اگر پھر بھی معزز قائد ایوان ان تابناک حقائق کی چکا چوند سے گھبرا کر اپنے مفروضہ اندیشوں کی دنیا بسائے رکھیں تو یہی کیا جا سکتا ہے کہ

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

صدر گرامی! قائد ایوان کے خیال کے مطابق اگر تہذیب کا کمال ہی شرافت کے زوال کا باعث بنتا ہے تو کیا جس خطہ زمین کے افراد تہذیب کی نعمتوں سے محروم ہیں وہاں شرافت اور

اخلاقیات کا دور دورہ ہے ذرا ماضی کی جانب سفر تو کیجئے اور تاریخ کے گرد پوش کو ہٹا کر اس وقت کے خطہ عرب پر نگاہ دوڑایئے جب ابھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کا آخری پیغام لے کر تشریف نہیں لائے تھے اس وقت کا خطہ عرب شرافت کے نام سے بھی عاری تھا حالانکہ وہاں تہذیب کا کمال تو دور کی بات ہے وہاں کے صحرا نشینوں کو تہذیب کے ہجے بھی نہیں آتے تھے اس دور میں تہذیب کو کمزوری و بزدلی کی علامت سمجھا جاتا تھا وہاں مائیں اس لئے بیٹیاں جنتی تھیں کہ انہیں زندہ درگور کردیا جائے وہاں پانی کی جگہ شراب لنڈھائی جاتی تھی باپ کے مرنے پر جائیداد کے ساتھ اس کی بیویاں بھی تقسیم ہو جاتی تھیں معمولی رنجشوں پر لڑائیوں کا وہ سلسلہ شروع ہو جاتا کہ صدیوں جاری رہتا وادی عکاظ کی ریتلی پیاسی سرزمین ہزاروں جیالوں کا خون چاٹ چکی تھی۔

جناب والا! مورخ جب عقابی نگاہوں سے قبل از اسلام کے خطہ عرب کو دیکھتا ہے تو اسے وہاں تہذیب کی ہلکی سی پرچھائیں بھی نظر نہیں آتی قائد ایوان کے بقول جب وہاں تہذیب کو کمال حاصل نہیں تھا تو کم از کم شرافت اور اخلاقیات کا دور دورہ تو نظر آتا۔ لیکن اس دور کے عرب قبائل تو شرافت کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

جناب والا! اس دور کے جزیرہ نمائے عرب میں شرافت کو زوال تو تھا لیکن تہذیب کا سراغ نہیں ملتا لہٰذا قائد ایوان اور ان کی صفوں کے مقررین بغیر ہدف کے تیر تو چلا سکتے ہیں لیکن حقائق کو جھٹلا نہیں سکتے۔

جناب والا! عالم انسانیت میں تہذیب کی پہلی آواز تو جناب رسالتماب نے بلند کی تھی جب آپ نے مساوات انسانی کی بین الاقوامی نظام کی صورت بلال حبشیؓ اور فاروق اعظمؓ کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا تھا اور اپنے قول و فعل سے دنیا کو یہ تاثر دیا تھا کہ

برتر از گردوں مقام آدمی است
اصل تہذیب احترام آدمی است

یہ آپ کی تہذیب کا ہی فیضان تھا کہ لیٹرے جان و مال کے نگہبان بن گئے' بیٹیوں کو زندہ گاڑنے والے عزت و عصمت کے پاسبان بن گئے اور جو معمولی باتوں پر خون کی ندیاں بہا دیا

کرتے تھے آنے والے دور میں قوموں کی امامت کا حق ادا کر گئے۔

اونٹوں کے چرانے والوں نے اس شخص کی صحبت میں رہ کر
قیصر کے تخت کو روندا کسریٰ کا بھی دامن چاک کیا

اور جناب والا! قائدایوان اپنی راگنی الاپتے رہیں لیکن تاریخ گواہ ہے کہ تہذیب تو اس وقت کمال کو پہنچی جب آپ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ ایک عورت تن تنہا زیورات سے لدی پھندی حیرہ سے مکہ کا سفر کرے گی اور راستے میں اس کی طرف کوئی نگاہ بد اٹھا کر نہیں دیکھے گا ...... بلاشبہ مستقبل کے پردوں میں جھانکنے والے حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ الفاظ اپنی صداقت ثبت کر گئے اور جب تہذیب کے کمال کا وہ دور آیا تو شرافت کو زوال نہیں آیا بلکہ اس دور کا ہر فرد حلم و حیا کا پیکر شرافت کا مجسمہ اور اخلاق کا پاسدار تھا۔

معزز قائدایوان کاش آپ نے تاریخ کی وسعتوں پر نگاہ تو دوڑائی ہوتی

جناب والا! علامہ اقبال جیسے دانائے راز فلسفی شاعر جب تہذیب کے کمال کو شرافت کے زوال کا باعث ٹھہراتے ہیں تو اس سے ان کی مراد صرف اور صرف تہذیب جدید ہوتی ہے جو تہذیب مغرب کے نام سے بھی پکاری جاتی ہے یہ تہذیب جدید مغرب کی در آمد شدہ لعنتوں میں سے ایک ہے اور اس کا حقیقی تہذیب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے تہذیب مغرب تہذیب کے نام پر گالی ہے یہ تہذیب نہیں بلکہ یہ تخریب ہے اس تہذیب کی دردناک خودکشی کی پیش گوئی تو علامہ اقبال عرصہ پیشتر ہی یہ کہہ کر چکے تھے کہ

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

جناب صدر! ان دلائل کی روشنی میں میں آج کی قرارداد کی مخالفت کرتا ہوں اور یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ تہذیب کے کمال سے شرافت کو زوال نہیں آتا بلکہ تہذیب تو اخلاق و شرافت کو جلا بخشتی ہے اور تہذیب حاضر جو بے غیرتی اور بے حیائی کا دوسرا نام ہے اس کا حقیقی تہذیب سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

مسائل کا حل صلح میں ہے جنگ میں نہیں

(حمایت)

صدر گرامی قدر! انسان فطرتاً" امن و آشتی کا دلدادہ ہے وہ آگ سے نہیں بلکہ پھولوں سے پیار کرتا ہے وہ دھواں اگلتے ہوتے ہتھیاروں سے نہیں بلکہ محبت کے نغمات برسانے والے مرغزاروں سے پیار کرتا ہے وہ میدان جنگ کی وہشت ناکیوں سے فطرتاً" گریزاں ہے اس لئے ہمیشہ صلح و امن کی آواز پر لبیک کہتا ہے اگر تاریخ آغاز کائنات سے اب تک مسائل کا حل جنگ کی سلگتی ہوئی بھٹی میں ہی تلاش کیا جاتا تو یقین جانیئے آج دنیا سے انسان اور انسانیت کا بھرم ہی نہ اٹھتا بلکہ ان کا وجود تک ختم ہو جاتا جبکہ صورت حال اس کے برعکس ہے اس لئے میں اس قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے مسائل کا حل صلح و امن اور محبت و آشتی کی چھاؤں میں ہی دیکھتا ہوں۔

محبت خویشتن بینی محبت خویشتن داری
محبت آستان قیصر و کسریٰ سے بے پروا

جناب والا! دوسری جانب سے ایسے مقررین بھی آئیں گے جو دلائل پیش کریں گے کہ امن کی بقا کے لئے بھی جنگ ضروری ہے لیکن جنگ سے مستقل طور پر مسائل سلجھائے نہیں جاتے بلکہ اس طرح مسائل تاریخ کے گورکھ دھندوں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں جنگ کے ذریعہ حل پیش نہیں کئے جاتے بلکہ کمزور فریق کے سر پر زبردستی ٹھونسے جاتے ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ ایسے حل وقتی طور پر تو قبول کر لئے جاتے ہیں مگر جونہی موقع پر ملتا ہے فریقین بیانات اور ان کی تعبیروں سے گزر کر پھر سے جنگ کے جہنم زاروں میں کود پڑتے ہیں اور مسائل کو پھر سے حالات کی ٹھوکروں پر چھوڑ دیا جاتا ہے

جناب والا! ہم تو نبی کریم علیہ الصلواۃ والسلام کے نام لیوا ہیں جو رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے جو عفو و درگزر اور امن و محبت کا پیکر تھے ان پر زمانے بھر کے ظلم و ستم کی آزمائش کی گئی مگر آپ کے لبوں پر زندگی بخش تبسم جلوہ گر رہا جنگ وجدل کے خوگر کفار کو عالمگیر امن کا

پیغام دیتے رہے آپ پر زبردستی جنگیں ٹھونسی گئیں مگر یہ جنگیں کوئی مستقل حل دریافت نہ کر سکیں اور بالآخر جب آپ نے اپنے خون کے پیاسوں کو یہ فرماتے ہوئے اپنی رحمت کے سائے میں لے لیا کہ "لا تثریب علیکم الیوم" جاؤ تم آزاد ہو تم سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی..... پھر عالم عرب سے صلح و محبت کا دور دورہ یوں ہوا کہ مکہ کی سرزمین ہمیشہ کیلئے گہوارہ امن و محبت بن گئی۔

جناب والا! تاریخ کے چہرے سے نقاب اٹھاتے جایئے' بساط عالم پر کئی چنگیز اور ہلاکو نمودار ہونے اور کائنات کو خاک و خون میں غلطان کر کے حالات کے دھندلکوں میں روپوش ہو گئے مگر ان کی ہوس ملک گیری امن کی فاختہ کو تو جگر پاشی پر مجبور کر گئی مگر بعد میں خون کے آنسو بہاتی ہوئی انسانیت یوں نوحہ گر ہوئی کہ مسائل کی کوکھ سے مسائل جنم لیتے چلے گئے پھر ان مسائل کے حل کے لئے جنگ کی بھٹی بار بار دہکائی گئی مگر ایک بار بھی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوا اور نہ ہی کسی مسئلہ کے حل کی معمولی سی صورت بھی دکھائی دی بلکہ جنگ وجدل اور انسانی خون کی آگ ہمیشہ کے لئے بھڑکانے کا ایندھن مہیا ہوتا رہا۔

جناب صدر! جنگ عظیم اول اور دوم کی تباہ کاریوں کا تصور تو کیجئے لاکھوں انسانوں کو خاک و خوں میں لوٹا دیا گیا ملک ویران کر دیئے گئے انسان ہی نہیں انسانیت کا قتل عام کیا گیا۔ اخلاق و شرافت اور امن و محبت کی دھجیاں بکھیر دی گئیں عورتوں کے سہاگ اور معصوم بچوں کے مستقبل جنگ کی بھٹی میں جھونک دیئے گئے ایٹم بم کا دھماکہ یوں کیا گیا کہ سالہاسال کی تہذیبی ترقی بھی تباہی کے اس داغ کو چھپانے میں ناکام نظر آتی ہے۔

جناب والا! ان ہولناک اور تباہ کن جنگوں کا نتیجہ کیا نکلا۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ یہ تمام جنگیں مسائل کا حل دریافت کرنے کے لئے انسانیت پر مسلط کی گئی تھیں مگر مسائل کا حل کیا نکلتا الٹا ان جنگوں نے اتنی بڑی تعداد میں مسائل پیدا کر دیئے کہ آج کے دور کا تمام انسانی و تہذیبی ارتقا بھی ان مسائل کی معمولی سی تعداد کو بھی سلجھانے میں ناکام و مایوس نظر آتا ہے اقتصادی بدحالی معاشی تباہی قومی و بین الاقوامی عصبیتیں جہالت و بربادی ان سب مسائل کے عفریت آج تک عالم انسانیت کو ہراساں کئے ہوئے ہیں۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

جناب صدر! یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک جنگ کے ذریعہ مسائل کو حل کرنے کا فلسفہ بڑی طاقتوں کے ذہنوں پر سوار رہے گا انسانیت نواز مگر کمزور قومیں ہمیشہ اپنے مستقبل کے بارے میں خدشات کا شکار رہیں گی جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق طاقتور اقوام اپنے پسندیدہ حل کمزور اقوام پر ٹھونستی رہیں گی امن کی فاختہ بار بار ظلم و تشدد کی سولی پر چڑھتی رہے گی۔

جناب والا! تاریخ سے مثال تو پیش کیجئے جنگ کے ذریعہ مسائل کے جو حل پیش کئے گئے تھے کیا ان میں کوئی حل مستقل بھی ثابت ہوا بلکہ تاریخ تو شہادت دے گی کہ ابھی تلوار کی نوک پر پیش کئے جانے والے مسائل کے حل کی سیاہی خشک نہیں ہونے پائی تھی کہ جنگ کے شعلے پھر سے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔

جناب صدر! یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ صرف امن و صلح کی فضاؤں میں ہی دیرپا اور مستقل امن کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ صلح و محبت کے پیغام کو پھر سے عام کیا جائے اور سسکتی ہوئی انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لئے جنگ کی آگ بھڑکانے سے گریز کیا جائے۔

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا نوع انسان کو
اخوت کا بیاں ہو جا' محبت کی زباں ہو جا

جناب والا! ان حقائق کی روشنی میں اس قرارداد کی پر زور تائید کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ

"مسائل کا حل صلح میں ہے جنگ میں نہیں"

ان کا جو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں
اپنا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

مسائل کا حل صلح میں ہے جنگ میں نہیں

(قرارداد کی مخالفت)

صدر گرامی قدر! مجھے اس قرارداد کی مخالفت میں کچھ عرض کرنا مقصود ہے صلح کا لفظ اگرچہ تہذیب و تمدن کے خوگر انسان کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے اور بظاہر اس لفظ میں بڑی دلکشی اور ترغیب ہے لیکن ذرا گہری نظر سے مطالعہ کیجئے تو یہ خوبصورت لفظ اپنی افادیت کے لحاظ سے صرف ہاتھی کے نمائش والے دانتوں کے مصداق ہو گا جب سے دنیا وجود میں آئی ہے یہ لفظ افادیت کے نقطہ نظر سے اس قدر فرسودہ اور ناقابل یقین ہو چکا ہے کہ اس سے نہ تو اپنی صداقت کا وجود منوایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اپنا جائز حق طلب کیا جا سکتا ہے۔

جناب والا! قائد ایوان اور ان کے گروہ سے تعلق رکھنے والے مقررین جنگ کی ہولناکیوں تباہکاریوں پر تو زور دیتے ہیں مگر یہ کیوں فراموش کر دیتے ہیں کہ یہ تخریب ہمیشہ کسی نئی تعمیر کا پیش خیمہ ہوتی ہے جنگ عظیم کی تباہکاریوں کی ہولناک داستان تو بیان ہو سکتی ہے مگر فاضل مقررین یہ حقیقت کیوں بھول جاتے ہیں کہ یہ جنگ عظیم ہی تھی جس کے بطن سے لپکنے والے شعلوں نے ہٹلر مسولینی اور ان کی آمریت اور استبدادی نظام کو ہمیشہ کے لئے اپنی موت آپ مرجانے پر مجبور کر دیا یہی جنگ عظیم تھی جس نے برطانوی سامراج کا گلہ یوں دبایا کہ اسے اپنے مقبوضات کو یکے بعد دیگرے آزادی دیتے ہی بنی۔ کیا اس جنگ سے قبل برصغیر ہندوپاک کا سب سے بڑا مسئلہ یہ نہیں تھا کہ فرنگی استبداد سے آزادی حاصل کی جائے اور کیا اس جنگ نے فرنگی سامراج کی کمر توڑ کر اسے برصغیر کو لیلائے آزادی سے ہمکنار کر دینے پر مجبور نہیں کر دیا تھا۔ اگر پھر بھی قائد ایوان اور ان کی جماعت جنگ کی تلخیوں میں پوشیدہ مسائل کو سلجھا دینے کی افادیت سے انکار کریں تو یہی کیا جا سکتا ہے کہ

اک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

جناب صدر! اگر دنیا بھر کے مسائل صلح و امن کی فاختہ اڑا دینے سے سلجھ جایا کرتے تو آج

تک صفحہ ہستی پر کہیں بھی جنگی داستانیں سننے میں نہ آتیں مگر یہ کیا کہ کسی بھی تاریخ کو اٹھا کر دیکھیے کسی بھی انقلاب کا مطالعہ کیجئے کسی بھی داستان آزادی کا تصور کیجئے کسی بھی مقصد کے لئے جدوجہد کا خیال کیجئے کسی بھی انسانی اخلاقی روحانی مشن کی سربلندی کے لئے کی جانے والی مساعی کو ذہن میں لایئے ان تمام حقائق میں کسی نہ کسی جنگ کا تذکرہ ضرور ملے گا اگر صلح و امن سے ہی مسائل کا حل سامنے آجاتا تو یہ لوگ کبھی ہتھیار نہ اٹھاتے ظاہر ہے کہ باطل قوتوں نے ہمیشہ عظیم مقاصد کے لئے جدوجہد کرنے والوں کا راستہ روکا اور جنگ ناگزیر ہوتی گئی اور پھر یہی جنگیں مسائل کے حل بھی سامنے لاتی گئیں۔

مری صدا کو دبانا تو خیر ممکن ہے
مگر حیات کے مہکار کون روکے گا

جناب والا! تاریخ اسلامی پر نگاہ دوڑایئے حضور ختمی مرتبت کو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کا رخ کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور پھر یہاں بھی آپؐ کو چین سے بیٹھنے نہ دیا گیا اور یکے بعد دیگرے آپ پر جنگیں مسلط کی گئیں جب آپؐ نے دیکھا کہ ان ظلم و تشدد کے خوگر اور جنگ وجدل کے پرستاروں پر امن و انسانیت کی ساری اپیلیں بے اثر جا رہی ہیں تو پھر آپ نے تلوار اٹھائی اور جنگ کی دعوت کو قبول کر لیا۔

جناب صدر! رسولؐ اللہ کی میدان جنگ میں تشریف آوری اس امر کی دلیل تھی کہ جنگ صرف قتل و غارت اور تباہی و خونریزی کے لئے ہی نہیں لڑی جاتی بلکہ امن کے قیام اور مسائل کے مستقل حل کو وجود میں لانے کے لئے بھی جنگ ضروری ہوتی ہے ذرا دیکھئے تو جناب رسول کریمؐ نے جب کفار سے کہیں کمتر وسائل کے باوجود کفار کو ہر موقع پر اینٹ کا جواب پتھر سے دیا تو ظلم و تشدد کے شیدائی کفار عرب مجبور ہونے لگے کہ رسول اللہؐ کے پیغام امن و صلح پر لبیک کہہ اٹھیں اور نبی کریمؐ کے پرچم رحمت کی چھاؤں میں عالم عرب صلح و امن کا گہوارا بنتا چلا گیا۔

جناب والا! دور کیوں جایئے۔ اپنے پڑوسی بھارت کی جنگ جویانہ ذہنیت کا مظاہرہ آپ کئی بار دیکھ چکے ہیں حل طلب مسئلہ 'مسئلہ کشمیر ہے۔ اس مسئلہ پر مذاکرات و بیانات کی اس قدر گرد

جم چکی ہے کہ اس کی اصل صورت دھندلا رہی ہے طاغوتی طاقتوں کے زیر سایہ بھارت جنگ وجدل کی صورت میں ہمارے نقصان کے درپے تھا بلاشبہ اس مسئلہ کا حل ہماری بے پناہ دفاعی قوت میں مضمر ہے کہ ہتھیاروں کی زبان سمجھنے والے بھارت کو اس کی پسندیدہ زبان میں وہ جواب دیا جائے کہ مسئلہ کشمیر کا اصل اور مستقل حل تاریخ کی اوٹ سے نکل کر سامنے آ جائے۔

جناب صدر کون نہیں جانتا کہ

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

افریقہ میں جنوبی افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں اسرائیل امن عالم کے لئے ناسور بنے ہوئے ہیں اقوام متحدہ جس کا کام مظلوم قوموں کے سروں پر دست شفقت رکھنا ہے خود کو بے بس پا کر امن عالم کے نام پر اپیلیں کئے جا رہی ہے مگر سب بے اثر ان تمام مسائل کا حل یہی ہے کہ مظلوم اقوام اپنی پوری قوت کے ساتھ ظلم و تشدد کی طاقتوں کا غرور ختم کر کے رکھ دیں جب ان کمزور اقوام کو باعزت زندگی گزارنے کے مواقع ملیں گے تو یہ اقوام اپنے تہذیبی مادی اور معاشی مسائل کا حل ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ اور پھر جناب والا جنگ اپنے دفاع سلامتی اور بقا کے لئے بھی لڑی جاتی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اپنی آزادی اور سلامتی کا تحفظ کسی بھی قوم کے لئے سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ جس کے پائیدار حل کی ضمانت میدان جنگ میں اپنے جنگ پرست حریف پر واضح برتری ہی پیش کر سکتی ہے۔

جناب والا ! ان حقائق کی روشنی میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس قرارداد کی مخالفت کر سکوں۔

امن کی جملہ اپیلیں تھیں نمائش کے لئے
اور فرمودات اہل انجمن تھے کاغذی
ہم نے ان سے رہنمائی کی توقع خوب کی
فکر تھی جن کی پریشاں اور چلن تھے کاغذی

جوانوں کو پیروں کا استاد کر

(حمایت)

صدر محترم! میں آج کے ایوان میں عصر حاضر کے تقاضوں کی بجا آوری کے لئے اس قرارداد کی حمایت کرنا چاہتا ہوں کہ

"جوانوں کو پیروں کا استاد کر"

جناب والا! دوسری جانب کے مقرر خواہ کچھ بھی کہیں یہ حقیقت ہے کہ جوانی جوش و جذبہ کا نام ہے جوانی شوکت عمل کا دوسرا روپ ہے یہ وہ قوت ہے جو غلاموں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے یہ وہ حرارت عمل ہے جو پتھروں کو گداز عطا کرتی اور بے یقینوں کو حسن یقین سے بہرہ ور کرتی ہے اس دور میں قویٰ اس قدر قوی حواس اس قدر حساس اور جذبات اس قدر آمادہ عمل ہوتے ہیں کہ انسان ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی سوچتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں شاعر مشرق جوانوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

اس لئے صدر محترم! میں آپ کی معرفت اس حقیقت کو تقدیر کا فیصلہ قرار دیتا ہوں کہ عہد حاضر نوجوانوں کے عزائم سے آباد ہے اور یہی نوجوان ہیں جو منتشر اجزاء کی شیرازہ بندی کر کے بوڑھے سیاستدانوں اور لفظوں کے گورکھ دھندوں میں الجھے ہوئے بے عمل پیران تسمہ پا سے زمام قیادت چھین کر ملت کی راہنمائی کا حق ادا کر سکتے ہیں یہی نہیں بلکہ اپنی سیماب پا قوت تسخیر کو بروئے کار لا کر بوڑھوں کو وقت کے تقاضوں سے آگاہی عطا کر سکتے ہیں اور فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ

تو ملک اور ملت کی امداد کر
ہاں بوڑھی قیادت سے آزاد کر

پیام آج اقبال کا ہے یہی
جوانوں کو پیروں کا استاد کر

صدر ذی وقار! دوسری طرف کے معززین بوڑھوں کے حق میں دلائل دیتے ہوئے ان کی تجربہ کاری اور عمر کے ساتھ بڑھتی ہوئی ہوشیاری کو خراج عقیدت پیش کر کے نہیں تھکتے مگر یہ کیسی تجربہ کاری ہے جو بڑھاپے میں اس وقت عطا ہوتی ہے جب انسان کچھ کرنے کے قابل نہیں رہتا وہ صرف سوچ سکتا ہے عمل نہیں کر سکتا۔ منصوبے بنا سکتا ہے مگر ان پر عمل درآمد کرنے کی قوت نہیں رکھتا جب وہ اپنی بے بسی ولاچاری کو دیکھتا ہے تو اس کا بوڑھا دماغ بیمار ذہنیت کا آئینہ دار بن جاتا ہے اور پھر یہی بیمار ذہنیت اسے منفی راہوں پر چلانا شروع کر دیتی ہے جو بڑھاپا اس کے لئے وبال ہوتا ہے وہ اس بڑھاپے کو پوری قوم کے لے وبال جان بنا دینا چاہتا ہے اس کے مضمحل اعصاب پوری قوم پر ذہنی تھکاوٹ طاری کر دینا چاہتے ہیں اور اپنی اس سیاسی و فکری کج روی کے باعث اس کا ملک و ملت کے ساتھ سلوک ہوتا ہے کہ

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

مگر جناب والا! ایسے عالم میں نوجوانان ملت آگے بڑھتے ہیں۔ مضبوط ہاتھوں سے زمام اقتدار سنبھالتے ہیں اور ملت کی کشتی کو گرداب سے نکال کر ترقی و خوشحالی کے کنارے تک پہنچا دیتے ہیں اگر ان بوڑھوں کے تجربہ اور مہارت کو ایک لحظہ کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے تو سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ ان کی تجربہ کاری اس وقت تک بیکار ہے جب تک اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے جوان اور باہمت ہاتھ میسر نہ آئیں گویا ان کا تجربہ بھی اپنے وجود کے لئے جوانوں کے عمل پیہم کا مرہون منت ہے۔

صدر محترم! آج پوری دنیا کا جائزہ لیجئے نوجوانوں کی نکھری ہوئی صلاحیتیں ہر ملک کی عظمت کو چار چاند لگا رہی ہیں مشرق سے ابھرنے والا سورج زمانے کو پیغام دے رہا ہے کہ یہ دور نوجوانوں کی صلاحیتوں کے منظر عام پر آنے اور ان کے وجود کی بدولت ملک و ملت کو تابناکی عطا کرنے کا دور ہے۔ ہمارے ملک ہی کو لیجئے نوجوان قیادت حکومت کر رہی ہے اور بوڑھے سیاستدان جو جمہوریت میں مارشل لاء کے لئے اور مارشل لاء میں جمہوریت کے لئے کام

کرتے ہیں عوام کو سڑکوں پر لانے کی تیاری کر رہے ہیں نتیجہ خواہ کچھ بھی نکلے مگر یہ نہیں چاہتے کہ ان کا بڑھاپا نوجوانوں کے سامنے جھک جائے آخر یہ حالات کے رخ کو کیوں نہیں پہچانتے حق تو یہ ہے کہ یہی ضد اور "میں نہ مانوں" کی تکرار ہی بڑھاپے کا روگ ہے جسے یہ قوم کا مقدر بنانا چاہتے ہیں۔

جناب والا! دوسری طرف کے مقررین حضرت قائداعظم جیسے بزرگ قائدین کا حوالہ دے سکتے ہیں مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ قائداعظم نے جب وادی سیاست میں قدم رکھا تھا تو وہ نوجوان تھے اور انہوں نے اپنی نوجوانی کی بہترین صلاحیتیں ملت اسلامیہ کے لئے وقف کر دی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نوجوانوں کی عظمت کو سلام کرتے اور انہیں تحریک پاکستان کا ہراول دستہ قرار دیتے تھے ہراول دستہ اتنا بیکار تو نہیں ہوتا کہ عقب میں بیٹھے ہوئے بوڑھے سیاستدان زبردستی اس کے کندھے پر سوار ہونے کوشش کریں۔

صدر والا قدر! دنیا بھر کے دانشوروں اور اصحاب حکمت نے نوجوانوں کو عہد حال کا اعزاز اور مستقبل کی امید قرار دیا ہے اس لئے بے بس و لاچار اور بیمار ذہنیت رکھنے والے بوڑھے قائدین کو جوانوں کی قیادت کو قبول کر کے ان کی راہنمایانہ بصیرت کو اپنا مقدر سمجھ لینا چاہئے۔

نوجوانوں کو وطن کا کام کرنا چاہئے
اور بوڑھوں کو فقط آرام کرنا چاہئے

جناب والا! ان حقائق کی روشنی میں مجھے اجازت عطا کیجئے کہ میں اس قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے کہہ سکوں کہ

"جوانوں کو پیروں کا استاد کر"

جوانوں کو پیروں کا استاد کر

(مخالفت)

صدر عالی مرتبت! آج کے اس معزز ایوان میں جو قرارداد پیش کی گئی ہے وہ ہر لحاظ سے غلط اور خلاف فطرت ہے یہ قرارداد چند شورش پسند نوجوان ذہنوں کا کارنامہ نظر آتی ہے میں نے کارنامہ کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ وہ ظلم و تشدد کا بازار گرم کردیں تو اسے بھی ایک کارنامہ قرار دیتے ہیں اس قرارداد کو انسانیت کے احترام کے منافی تصور کرتے ہوئے میں اس کی پرزور مخالفت کرنا اپنا فرض اولین خیال کرتا ہوں۔

گرم لہجے، شورشیں، بدامنی، فتنہ اور فساد
اس پہ بھی یہ نوجواں کہتے ہیں خود کو زندہ باد

والا قدر! جوانوں کا سب سے بڑا دعویٰ یہ ہے کہ ان کے پاس قوت اور طاقت ہے لیکن اس طاقت کو اگر بزرگوں کی تجربہ کارانہ صلاحیت اور راہنمایانہ بصیرت عطا نہ ہو تو یہ طاقت محض اندھے کی لاٹھی بن کر رہ جائے گی وہ اندھے کی لاٹھی جو صرف بیگانوں پر ہی نہیں برستی بلکہ اپنوں کو بھی خاک و خون میں نہلا سکتی ہے جوانی بلاشبہ دیوانگی اور ناتجربہ کاری کا دوسرا نام ہے۔ یہ ایک ایسا جوش ہے جس میں ہوش نہیں ہے اور جب جوش ہوش سے اور بصارت بصیرت سے محروم ہو جائے تو پھر چاروں طرف جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا مسئلہ نظر آئے گا اور ہر طاقتور اپنی طاقت کے زور سے دوسرے کو مغلوب کر رہا ہو گا اور اسے سمجھانے والا کوئی نہ ہو گا کیونکہ انہوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ یہ کسی سمجھانے والے کی رائے کو تسلیم نہیں کریں گے۔

لوگ قائل ضرور ہو جاتے بات کرتے جو تم طریقے سے
اتنا سن لو جو دھوکا دینا ہے جھوٹ بولو مگر قرینے سے

صدر مکرم! قوموں کی تاریخ پر ایک نگاہ دوڑاتے ہی یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح نظر آتی ہے کہ ان کی آزادی اور ترقی کے پس پردہ ان بزرگوں کی صلاحیتیں پوشیدہ ہیں جنہوں

نے اپنا علم اپنی بہترین حکمت عملی اور اپنا تدبر سب کچھ ان کی نذر کر دیا وطن عزیز پاکستان کی تاریخ کو ہی دیکھئے' شاعر مشرق علامہ محمد اقبال' قائداعظم' مولانا ظفر علی خان' لیاقت علی خان سمیت کتنے محترم بزرگوں کے نام ذہن میں ابھرتے ہیں جن کی عظمت کو زمانہ سلام کرتا تھا مگر دوسری جانب کے مقررین اپنے جوش جنوں میں احسان فراموشی پر تلے ہوئے ہیں۔

خرد کو یہ جنوں کہنے لگے ہیں
سدا ظلمات میں رہنے لگے ہیں

ذی وقار! بزرگوں کے احترام اور ان کی قیادت کو ہر معاشرہ نے تسلیم کیا ہے قرآن اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بزرگوں کے احترام اور ان کی قدر و منزلت پر سب سے بڑھ کر زور دیا ہے۔ مگر آج کا نوجوان بزرگوں پر سبقت لے جانے کے لئے ان کے احترام کو بالائے طاق رکھنے پر تلا ہوا ہے۔ ملک و ملت کی بات تو دوسری ہے اگر ان کے گھروں کا انتظام ہی ان کو سونپ دیا جائے تو ہر گھر ہنگامہ آرائی کا مرکز بن جائے اور غالب کے لفظوں میں ہر گھر کی کچھ ایسی ہی کیفیت ہو۔

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نغمہ شادی نہ سہی نوحہ غم ہی سہی

والا قدر! آج نوجوانوں کو پیروں کا استاد ثابت کرنے کے سلسلہ میں بعض ملکوں کا حوالہ دیا جا رہا ہے جہاں نوجوان قیادت حکومت کر رہی ہے اس نوجوان قیادت کے حامی مقرر بوڑھے اور بزرگ سیاستدانوں کو طرح طرح کی گالیوں سے نواز رہے ہیں مگر ذرا ان ممالک کی معیشت اور معاشرت پر ایک نظر ڈالیے' تو سر ندامت سے جھک جاتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ان ممالک میں زوال کو ہی ترقی سمجھ لیا گیا ہے معاشرتی اقدار کا جنازہ نکالا جا رہا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے پورا ملک میدان جنگ میں تبدیل ہو چکا ہے اگر اسی خودسری' بغاوت' تشدد اور عوامی مسائل سے آنکھیں بند کر لینے کا نام ہی ترقی ہے تو پھر ان ہنگامہ پسند نوجوان سیاستدانوں کے ہاتھوں عطا ہونے والی نام نہاد ترقی سے خدا ہی محفوظ رکھے۔

صدر عالی مقام! ہم کالجوں میں طالب علم تنظیموں کے کردار کے مخالف نہیں ہیں مگر مجھے

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان تنظیموں کے نوجوان قائدین صرف جوش اور اشتعال کو ہی خضر راہ سمجھ بیٹھے ہیں اور ایک فریق دوسرے فریق کی بات سننے پر ہی آمادہ نہیں ہے جس سے نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ تعلیمی درسگاہیں جہاں علم و حکمت کے گلاب مہکا کرتے تھے وہاں سے مسلسل بارود کا دھواں اٹھتا ہوا نظر آتا ہے۔ اب اگر انہی جوش انتظام میں بد مست نوجوانوں کو پیروں کا استاد بنا کر ملک کی زمام اقتدار سونپ دی جائے تو پھر یہی سوچ کر دل لرز اٹھتا ہے کہ کہیں ایسا منظر دیکھنے میں نہ آجائے کہ

ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہو گا
کلیوں پہ سکوت مرگ ہو جب تو حسن بہاراں کیا ہو گا

جناب والا! علامہ اقبال نے جوانوں کو پیروں کا استاد قرار نہیں دیا بلکہ ایک تمنا ظاہر کی ہے کہ کاش یہ نوجوان اپنے بزرگوں کے علمی ورثہ اور ایمانی امانت کے وارث بن جائیں تاکہ آنے والا دور ان کے وجود سے جگمگا اٹھے مگر آج کے ایوان میں جوانی کے نشے میں خطابت کا جوش دکھانے والے بزرگوں کو حرف غلط کی طرح مٹانے پر تلے ہوئے ہیں جس طرح چاند پر تھوکنے سے چاند میلا نہیں ہوتا بلکہ وہ تھوک اس بدباطن کے اپنے چہرے کو مسخ کر دیتا ہے اسی طرح صداقتوں کو جھٹلانے سے بزرگوں کی عظمت کم نہیں ہو گی بلکہ اور اجاگر ہوتی چلی جائے گی اور آنے والا زمانہ یہ کہے گا کہ یہ کس قدر بدقسمت قوم ہے کہ جن بزرگوں نے اسے پروان چڑھایا یہ ان کو ہی غلام بنانے پر تلی ہوئی ہے۔

بڑھاپا آدمی کا باعث توقیر ہوتا ہے
عمل کی سربلندی عزم کی تفسیر ہوتا ہے

جناب والا! ان حقائق کی روشنی میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس قرارداد کی پرزور مخالفت کر سکوں اور کہہ سکوں کہ "جوانوں کو پیروں کا استاد" بنانے کا خواب دیکھنے کے بجائے ان سے راہنمائی لینی چاہیے۔

نظریات انسان کو تنگ نظر بنا دیتے ہیں

صدر گرامی قدر! نظریات حالات کی کوکھ سے جنم لیا کرتے ہیں کیونکہ جب سماجی شعور عقل و دانش اور فکر و عمل کی روشنی میں پروان چڑھ کر کسی تہذیب' تمدن یا کسی ثقافت کو معرض وجود میں لانے کا باعث بنتا ہے تو نظریات بیک وقت کاروان زندگی کی راہنمائی کے لئے سامنے آتے ہیں یا لائے جاتے ہیں۔ اور چونکہ انسان کی جبلت میں تجسس کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے وہ تلاش حق میں کسی نہ کسی نظریہ کو ضرور قبول کرلیتا ہے۔ اور یہی قبولیت نظریات کی ترویج و تبلیغ کا باعث بنتی ہے کیونکہ انسان ایک نظریئے کو ایک بار ذہنی طور پر قبول کر لینے کے بعد اس کے ارتقا کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ اور چونکہ انسان خود کو مکمل طور پر ان نظریات کے عملی وجود میں مدغم کردیتا ہے لہٰذا وہ اپنے کردار کے ہر زاویے سے مروجہ نظریئے کے ارتقا کا باعث بنتا ہے۔

جناب والا! یہی نظریات جن کے ساتھ ذہنی وابستگی کے بعد انسان ان کی ترویج کے لئے رزم و بزم میں کوشاں رہتا ہے۔ اسے تنگ نظر بنا دیتے ہیں۔ یہ ایک سیدھی سادی سی بات ہے کہ انسان جس نظریہ کو ایک بار قبول کرلیتا ہے۔ زندگی کی بنیادیں اسی کو مدنظر رکھ کر استوار کرتا ہے۔ یہی وابستگی ایک وقت میں جذباتیت کا شکار ہو کر اس نہج پر پہنچ جاتی ہے جب انسان اس ایک نظریئے کے سوا کسی دوسرے نظریئے کا سرسری جائزہ لینے پر بھی آمادہ نہیں ہوتا اور اسے اپنے نظریئے کے سوا دوسرے تمام نظریات ہیچ دکھائی دیتے ہیں۔ اور اپنے نظریاتی تعلق داروں کے سوا اسے تمام لوگ دوزخی اور ملعون نظر آتے ہیں۔ اس تلخی نظریات کو تعصب کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ دنیا میں تمام نظریات اپنے طور پر حق و صداقت اور انسانیت کی بنیادی اقدار کا پرچار کرتے ہیں۔ جب ہر نظریئے کے پیروکار اپنے سوا دوسروں کو نظریاتی طور پر کمتر تصور کریں گے تو لازمی طور پر وہ تنگ نظری اور تعصب کا شکار ہو جائیں گے۔

صدر گرامی! عام طور پر چار قسم کے نظریات ہو سکتے ہیں۔ ذاتی' خاندانی' ملکی اور بین

الاقوامی۔ ذاتی نظریات کو ہم کسی طور بھی تنگ نظری سے مبرا قرار نہیں دے سکتے۔ خاندانی نظریات میں چند انسان مخصوص مفادات کے پابند ہوتے ہیں۔ ملکی نظریات میں وطنیت کے تصورات غالب رہتے ہیں۔ یہ تصورات ملکی پیمانے پر ایک ملک کے مفاد کو دوسروں پر ترجیح دینے کا باعث بنتے ہیں۔ اور یہ سراسر ملکی تنگ نظری کو فروغ دیتے ہیں "اپنے دیس میں سب کچھ پیارے" کے مصداق وہ تمام خارجی اثرات کو قابل نفرت سمجھتے ہیں۔ رہ گئے بین الاقوامی نظریات جن کی وسعت کا ڈھنڈورا ماسکو سے لے کر واشنگٹن تک پیٹا جا رہا ہے۔ تو یہ ہر چند مخصوص اذہان کی پیداوار ہوتے ہیں۔ امریکہ عالمی ترقی کے لئے دل کھول کر امداد دے رہا ہے۔ لیکن اس کے پس پردہ وہ ان ممالک کی تمام تر وفاداریوں کا طالب ہے۔ کیمونزم اپنی عالمی رواداری اور بین الاقوامیت کے پس پردہ اپنا الگ بلاک بنانے کا خواہش مند ہے۔ یہی ازل سے ہوتا آیا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا۔ خواہ وہ اخلاقی نظریہ ہو یا مادی نظریہ اس میں ذاتی مفاد ضرور پوشیدہ ہوگا۔ یہ ذاتی مفاد ملکی شکل میں ہو یا بین الاقوامی شکل میں یہی ذاتی مفاد تنگ نظری کا باعث بنتا ہے۔

دل لے کے دل دیا احسان کیا کیا
یہ سودا نقد کا تھا حساب کر لیا

جناب والا! فرائڈ کے الفاظ میں انسان کے نظریات دراصل اس کے ذاتی مفادات کی آئینہ داری کرتے ہیں۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو تمام نظریات کے پس پردہ ذاتیت دکھائی دے گی اور ذات کو کبھی تنگ نظری سے پاک قرار نہیں دیا جا سکتا۔

"Honesty is the best policy" "ایمانداری بہترین پالیسی ہے" گویا ایمانداری کو بھی بطور ایک پالیسی اختیار کیا گیا ہے۔ نظریہ جمہوریت جس کی عظمت کو سبھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسانی ذات کی حفاظت کی جائے۔ برٹرینڈ رسل نے کہا کہ "ہر شخص دوسرے شخص سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہے اور اس خوف کی وجہ سے وہ اپنی حفاظت کے منصوبے بناتا ہے۔ انہیں منصوبوں کو وہ نظریات کا نام بھی دے دیتا ہے" حالانکہ اس سے اس کا زندگی کا نظریہ محدود ہو جاتا ہے اور وہ زندگی کو چند اصولوں کا پابند سمجھ لیتا ہے اور انہی

اصولوں کے نام پر اپنے مفاد کو ہر مقام پر مقدم رکھتا ہے۔

جناب والا! جنگ عالمگیر اول اور دوم کی ہولناکیوں اور محشر خیزیوں کے پس پردہ نظریاتی تنگ نظری ہی کار فرما تھی۔ یہ چند چھوٹی طاقتوں کی آویزش نہیں تھی بلکہ اس میں نظریاتی برتری کا ہاتھ تھا۔ نازی ازم سرمایہ واریت کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے اٹھا تھا۔ اور سرمایہ واریت اپنا وجود صحیح معنوں میں ثابت کرنے کے لئے دنیا کے ہر کونے میں محاذ جنگ کھول بیٹھی تھی۔ اور اب ایک تیسری اور آخری عالمگیر جنگ کی پیش گوئیاں کی جا رہی ہیں۔ جس کے انجام پر کوئی نظریاتی برتری کا جشن منانے کے لئے موجود نہیں رہے گا۔

جو سائے دور چراغوں کے گرد لرزاں ہیں
نہ جانے محفل غم ہے کہ بزم جام و سبو
جو رنگ ہر در و دیوار پر پریشاں ہیں
یہاں سے کچھ نہیں کھلتا وہ پھول ہیں کہ لہو

جناب صدر! ایک عارضی اعصابی جنگ تو اب بھی جاری ہے۔ انسان نظریات کی بدولت اقوام اور ممالک کی شکلوں میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں ہے۔ وہ گھانا کا انقلاب ہو یا لبنان کی فرقہ واریت۔ نائجیریا کی خانہ جنگیاں ہوں یا ویت نام کی کشمکش یہ سب ان نظریات کی ہی کرشمہ سازیاں ہیں جو انسان کو تنگ نظری سکھاتے ہوئے انسانیت کو بھی تنگ نظر بنانے کی کوشش میں ہیں۔

---O---

عصر حاضر انسانیت کی معراج ہے

(حمایت)

صدر گرامی! بھاپ کی ایجاد نے انسان کو ایک ایسے دور میں داخل کر دیا کہ اس کی محرومیوں اور پستیوں کے بادل ایک ایک کر کے چھٹنا شروع ہو گئے۔ چنانچہ ارتقا کی ان منازل کو طے کرنے کے بعد انسانیت عصر حاضر کے طفیل معراج حاصل کر چکی ہے اور یہی ایوان میں پیش ہونے والی قرارداد کا مفہوم ہے۔ اس لئے مجھے قائد ایوان کی تائید میں کچھ کہنا ہے۔

جناب صدر! آج کا انسان محض انسانیت کے نام پر لیلائے منزل کے وصل سے شاد کام ہو چکا ہے۔ کڑے کوسوں کی صعوبتیں بھی اس کی سد راہ نہ بن سکیں۔ نامساعد حالات نے اس کا راستہ روکنا چاہا۔ مگر وہ انسانیت کا عظیم پرچم لے کر اس جرات اور بہادری سے آگے بڑھا کہ منزل نے اس کے قدم چومے۔ اس کی عظمت سے متاثر ہو کر جب اسے حالات کی دھنک توڑتے ہوئے اور سوئمبر رچائے ہوئے دیکھا تو دوشیزہ انسانیت نے اس کے گلے میں ہار ڈال دیا۔ اور دونوں کے وصال ہی نے آج کی انسانیت کو تخلیق کیا جو اوج کی شہزادی بن کر عقیدت کے نغمات سے جھومتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔

جناب صدر! آسمان پر کمندیں پھینکنے' فضائے بسیط کی تسخیر' زمین کی پہنائیوں میں داخلہ' قطبین پر انسانیت کے پرچم کی اڑان کو انسانیت نہیں بلکہ انسان کی کامیابی قرار دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ محض ایک منطقی مغالطہ ہے۔ انسان نے خلاؤں کی تسخیر انسانیت کے لئے ہی تو کی۔ تاکہ انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہو۔ جو بعض محرومیوں کی وجہ سے پیدا ہو چکے تھے۔ یہ تو انسانی شعور کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ کیونکہ انسان جو شہکار عظیم' خدا کا سایہ' مسرت کا نقیب' عظمت ارض و سما' رونق گلزار بہشت' خدائی کا محافظ' مشیت کا ترجمان' تقدس کا فرشتہ' تمدن کا رسول' اجالوں کا پیغمبر' سویروں کا انیس اور امین گل و رنگ ہے اس سے انسانیت کو نقصان پہنچانے کی توقع عبث ہے۔

جناب والا! یہ درست ہے کہ کہیں نمرود' فرعون نظر آتے ہیں جو انسانیت کے درپے آزار

ہیں۔ مگر انسانیت کی آواز میں اس قدر توانائی ہے کہ وہ اپنے لاؤ لشکر کی کثرت کے باوجود اپنے آپ کو رود نیل کی موجوں سے نہ بچا سکے۔ چین میں ماؤزے تنگ کی فتح صدیوں سے غلامی میں گرفتار ممالک کی یکے بعد دیگرے آزادی بقائے باہمی کے طویل المعیاد معاہدے عالم اسلام کی اتحاد کے لئے جدوجہد فرنگی سامراج کے بجائے ایشیاء اور افریقہ کے دیگر ممالک میں وہاں کے عوام کی سیاسی اور اقتصادی آزادی کی جیت نہیں تو کیا ہے۔ کیا اسے شیطنت قرار دیا جائے؟ یہ ابن آدم سے نہیں ہو سکتا۔

صدر محترم! اس صدی کا آغاز انسانیت کے دکھوں سے ہوا۔ مگر پہلی جنگ عظیم کے خاتمے سے پیشتر ہی انسانیت کی بقا کی آوازیں اٹھنے لگیں اور جلد ہی عصائے وقت نے شہنشاہوں اور زاروں سے تاج حکومت چھین کر محنت کشوں، دانشوروں کسانوں، شاعروں، ادیبوں اور دوسرے فرزندان انسانیت کے قدموں پر لا گرایا۔ غلامی میں گرفتار نو آبادیوں کو آزادی ملی۔ پوری دنیا میں بین الاقوامی اخوت کے جذبوں کو فروغ ملا۔ انسانیت کے راگ الاپنے والوں کو ان کی زندگی میں ہی شہرت کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ مٹی کھا کر قوت لایموت حاصل کرنے والا عظیم گورکی بھی قابل عزت شخصیت بن گیا۔ ظلم کی چکی میں پستے ہوئے انسانوں کو سربلندی ملی اور حریت افکار کا نعرہ بلند ہوا۔ انسانیت کی یہ فتح مسلسل آگے بڑھ رہی ہے۔

جناب والا! انسانیت کا یہ سیلاب آگے بڑھ رہا ہے کوئی بھی دیوار چین اسے نہیں روک سکتی۔ آج حریت افکار کا نعرہ لگانے والوں کو کہیں بھی سرعام قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ آزادی کے گیت گانے والوں کو کوئی مجرم قرار نہیں دے سکتا۔ زندگی کا پرچم لہرانے والوں کو کوئی کھلے بندوں موت کی بیڑیاں نہیں پہنا سکتا۔ انسانیت، امن و آزادی، اخوت اور انسانی اقدار کی سربلندی کا سویرا طلوع ہو چکا ہے۔ اور آج نغمے آزاد ہیں۔ قلم کاروں کے پاس اپنے قلم ہیں کیونکہ۔

ظلم کی عمر بڑی ریت کڑی ہے لیکن
پھر بھی حالات نے تاریخ کا رخ موڑ دیا

آج ذرے بھی ہیں تسخیر فلک پر حاوی
آج پھولوں نے شراروں کا بھرم توڑ دیا

جناب والا! عصر حاضر معراج انسانیت ہے۔ کیونکہ جب امریکی سامراج کیوبا کا محاصرہ کرکے اس کرہ ارض کو ناگاساکی اور ہیروشیما بنانے کا پروگرام بناتا ہے۔ تو انسانیت چیخ اٹھتی ہے۔ یورپ سے ہی عظیم فلسفی برٹرینڈرسل کی اس ظلم کے خلاف آواز اٹھتی ہے جس کی وجہ سے امریکہ کو شرمناک پسپائی سے دوچار ہونا پڑا۔ اس مرحلہ پر کسی نے روس کے وزیراعظم سے پوچھا کہ اس معاملہ میں امریکہ جیتا یا روس تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ انسانیت کی فتح تھی۔ کیونکہ اگر یہ جنگ ہو جاتی تو تم مجھ سے سوال نہ کرتے کیونکہ ہم دونوں کا وجود ہی ختم نہ ہو چکا ہوتا بلکہ یہ کرہ ارضی بھک سے اڑ چکا ہوتا۔

جناب صدر! انسانیت کی آواز نحیف اور کمزور ہو سکتی ہے مگر دب نہیں سکتی۔ کون سا مسئلہ ہے جہاں انسانیت نے تمام مصلحتوں اور مصیبتوں سے آزاد ہو کر آواز نہیں اٹھائی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اہرمن کے جانشین وقتی طور پر اس مسئلہ کی نزاکت کا احساس کم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہوں۔ آج ایک ملک کی تکلیف پر پوری دنیا تڑپ اٹھتی ہے۔ عرب اسرائیل کشمکش شروع ہوتی ہے تو تمام مسلمان ممالک تیل کے معاملہ میں امریکی سامراج کا بائیکاٹ کر دیتے ہیں۔ آج کے دور سے قبل یہ شعور کہاں تھا۔

جناب والا! آج کسی ملک میں کسی فرد پر کوئی زد پڑے۔ کوئی قوم غلامی کی زنجیروں کو توڑنا چاہے تو عصر حاضر نے انسان کو اس قدر جرات مند کر دیا ہے کہ وہ پاکستان میں رہ کر بھی الجزائر کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ پاکستان تو بہت دور ہے۔ خود فرانس میں وہاں کے دانشوروں' ادیبوں' شاعروں' صحافیوں اور پادریوں نے الجزائر کی آزادی کے لئے جدوجہد کی حالانکہ الجزائر کی آزادی سے فرانس کو مالی طور پر ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ مگر ژاں پال سارترے نے جیل جانا برداشت کر لیا مگر الجزائر کی آزادی کی تحریک سے دست کش نہیں ہوا۔ یہ معراج انسانیت نہیں تو اور کیا ہے۔

عصر حاضر بہت حد تک انقلاب فرانس کی پیداوار ہے۔ جس نے انسانیت کا بنیادی حق'

حریت افکار اور اقتصادی اور سیاسی آزادی بزور تسلیم کرا کے چھوڑا۔ جس میں عصر حاضر کی وجہ سے بین الاقوامیت آ چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب لومبا کو کانگو میں آزادی کی چاہت کے جرم میں قتل کر دیا جاتا ہے۔ شاہ فیصل ایک مخبوط الحواس شہزادے کی دیوانگی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ رہوڈیشیا میں انسانی حقوق کو پامال کیا جاتا ہے۔ خانماں برباد فلسطینیوں پر بم برسائے جاتے ہیں۔ تو اس پر غم و غصہ کا اظہار پاکستان میں بھی کیا جاتا ہے۔

جناب والا! عصر حاضر کی وجہ سے انسان وباؤں، بھوک، افلاس، بیکاری، جہالت پر بہت حد تک قابو پا چکا ہے۔ اور انسانیت کا یہ قافلہ حالات کی کٹھنائیوں کو تسخیر کرتا ہوا کامیابی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کامیابی کو بہر حال معراج انسانیت ہی قرار دیا جائے گا۔ اگر انسانیت کی راہ میں کچھ مسائل ہیں تو وہ جلد ختم ہو جائیں گے کیونکہ۔

لیلائے آب و رنگ کا ڈیرہ قریب ہے
تارے لرز رہے ہیں سویرا قریب ہے

"ان الفاظ کے ساتھ جناب! مجھے اجازت دیجئے کہ میں قرارداد کی تائید کروں کہ

"عصر حاضر انسانیت کی معراج ہے"

---O---

توہین زندگی ہے سہاروں کی زندگی

(حمایت)

صدر ذی وقار!

میں آج کے اس معزز ایوان میں آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ

"توہین زندگی ہے سہاروں کی زندگی"

جناب والا! میں نے مختلف مقررین کے دلائل سنے جو سہاروں کی زندگی کو ہی اصل زندگی قرار دے رہے تھے ان کے دلائل سن کر میں حیران رہ گیا کہ خداوندا کیا ہمارا تعلق زندگی کے حقائق سے کٹ گیا ہے اور کیا ہم آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی دوسروں کی بیساکھیاں استعمال کرنا نہیں چھوڑیں گے زندگی کو سہاروں کا پابند بنا دینا ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ کل سے سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ اس قدر زبردست دروغ گوئی اور پھر اس پر ڈھٹائی کا یہ عالم، فطری بزدلی کو سہاروں کے پس منظر میں چھپا کر زندگی کا پیغام بھی دے رہے ہیں میں حیران ہوں کہ

ان عقل کے اندھوں کو الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

جناب والا! زندگی سہاروں کی محتاج نہیں ہے بلکہ یہ تو سہاروں سے بے نیاز ہو کر سیل رواں کی صورت آگے بڑھنے کا سلیقہ جانتی ہے یہ بزدلی کی پیامبر نہیں بلکہ جرات و ہمت کی عملی تفسیر ہے۔ یہ کمزوریوں پر ناز نہیں کرتی بلکہ محکوم قوموں کی زنجیروں کو کاٹنے کا حوصلہ رکھتی ہے زندگی جذبات کی سربلندی کا نام ہے زندگی اپنے بازوؤں پر بھروسہ کرنے کا پیغام ہے زندگی عزت نفس کا انعام ہے زندگی عزت و خودداری کا لطف عام ہے شاعر مشرق کے لفظوں میں

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں ہر دم رواں پیہم جواں ہے زندگی

صدر محترم! سہاروں کی آرزو کرنا توہین زندگی کے مترادف ہے سہاروں کی تمنا اور بیساکھیوں کی تلاش انسان کو کاہل اور بزدل بنا دیتی ہے اور پھر انسان ہی پر کیا موقوف ہے جب کوئی قوم بھی دوسری طاقتور اقوام کے مادی سہاروں کے حصول کے لئے ان کے حضور کاسہ گدائی دراز کرتی ہے تو پھر ہر آنے والا دن اس قوم کی ذلت و رسوائی کا باب رقم کرنے لگتا ہے کاسہ گدائی خواہ ڈالروں کے نام پر دراز کیا جائے یا حربی اور جنگی ساز و سامان کے نام پر اس سے سوائے ذلت و پشیمانی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا ان کے مقابلہ میں وہ قوم ہمیشہ سربلند و سرفراز رہتی ہے جو اپنے بازوؤں کی قوت اور اپنے وسائل کی وسعت پر بھروسہ کرنا جانتی ہو ایسی ہی عظیم اقوام کو اقبال نے یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے کہ

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

والا قدر! جب کوئی شخص یا قوم سہاروں کی زندگی کے عادی ہو جاتے ہیں تو ان کی زندگی مصنوعیت کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے سہاروں کی تلاش ایک مہلک نشے سے کم نہیں جب کوئی قوم سہاروں کو شعار زندگی بنا لیتی ہے تو پھر اسے اپنے وسائل سے استفادہ کرنے کی کبھی توفیق نہیں ہوتی سہاروں کا نشہ اس کے ذہن و فکر کو مفلوج اور ذاتی وسائل کے استعمال کے سلسلہ میں بے حس اور احساس زیاں سے عاری بنا دیتا ہے۔

جناب والا! تمام دنیاوی اور مادی سہارے فانی ہیں۔ سہارا فقط ذات خدا کا ہونا چاہئے۔ قیام پاکستان ایک معجزہ سے کم نہیں اور یہ معجزہ فقط اور فقط اسلامیان برصغیر کی ذاتی جدوجہد کی بدولت رونما ہوا ہے۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگیں ہمارے لئے درس عبرت سے کم نہیں کہ ہم نے جن بڑی طاقتوں کے سہاروں کو متاع حیات سمجھا تھا وہ وقت پر دغا دے گئیں اور جب اغیار کے سہاروں سے بے نیاز ہو کر ہم نے ذاتی خودداری و غیرت کا مظاہرہ کیا تو چشم فلک حیران رہ گئی اور زمانے نے دیکھ لیا کہ

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

ولا مرتبت! آج کا دور پھر نئے فرعونوں اور نمرودوں کو جنم دے رہا ہے مقام افسوس یہ ہے کہ ہم ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اغیار کے وسائل سے استفادہ کرنے کوشش میں ہیں **الکفر ملتہ واحدہ** کے مصداق جب معرکہ حق و باطل درپیش ہوتا ہے تو جملہ باطل قوتیں ہمارے مخالف ایک ہو جاتی ہیں اور ہمارے مخالفین کی صف میں وہ معززین بھی شامل ہوتے ہیں جن کے ساتھ ہم نے مختلف نوعیتوں کے دفاعی معاہدات کر رکھے ہوتے ہیں۔ سیٹو ہو یا نیٹو سلامتی کونسل ہو یا اقوام متحدہ مشکل میں کوئی بھی ہمارا نہیں ہوتا فطرت کا پیغام ہمیں یوں زندگی کی عظمتوں کا احساس دلا رہا ہے۔

تو اپنی سرنوشت خود اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے خامہ حق نے تری جبیں

جناب والا! "توہین زندگی ہے سہاروں کی زندگی" محض ایک مصرع یا مقولہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ ہمارے آنکھیں بند کر لینے سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ معزز قائد حزب اختلاف اور ان کے جملہ ہمنوا بزدلی اور بے غیرتی کا تاج اپنے سروں پر سجا کر معزز نہیں کہلا سکتے۔ شاہیں بچوں کو خاکبازی کا سبق سکھا کر ہم سربلند قوم کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے اہل ایمان تو سہاروں سے ملنے والی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں کیا ہم برصغیر میں آزادی کے آخری علمبردار سلطان فتح علی ٹیپو کے اس قول صادق سے انحراف کر سکتے ہیں کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہوتی ہے کیا یہ پیغام غلط ہے۔

کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر
غلامی کی حیات جاوداں سے

صدر ذی وقار! ان حقائق کی روشنی میں اجازت چاہتا ہوں کہ زندگی کے حسن کو غیرت و خودداری کا نام دے سکوں اور زندگی کو سہاروں کی نذر کرنے والے ذہنی مفلسوں کی عقل کا ماتم کرتے ہوئے اس معزز ایوان کے اصحاب بصیرت تک اقبال کا یہ پیغام پہنچا سکوں کہ

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تندوتیز
ساحل تجھے عطا بھی ہو ساحل نہ کر قبول

---O---

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ ؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں
یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے ، دمادم صدائے کن فیکوں

طاقت امن کی علامت ہے

(حمایت میں)

صدر عالی مرتبت! عہد حاضر کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے مجھے آج کے معزز ایوان میں ایک قرارداد پیش کرنا ہے یہ قرارداد اپنے مقصود و معنی کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ "طاقت امن کی علامت ہے"۔

جناب والا! آغاز کائنات سے لے کر اب تک طاقت نے ہر دور میں اپنی عظمت اور بالادستی کا لوہا منوایا ہے تاریخ شاہد ہے کہ زمانے نے ہمیشہ طاقتوروں کے فیصلے تسلیم کئے ہیں اس دور میں بھی جبکہ یہ تہذیب و تمدن کے مفہوم سے نا آشنا تھا اس دور میں بھی کہ جب یہ خود کو طاقت کی معراج سے ہمکنار ہوتا ہوا محسوس کر رہا ہے۔

جناب صدر! امن ایک حسین لفظ ہے۔ ایک دلکش استعارہ ہے' لیکن اس کو قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ قوموں کو خاک و خون کے دریا عبور کرنے پڑتے ہیں اگر محض لفظوں سے پیٹ بھر سکتا اور صرف لفظوں کے انبار ہی سے امن قائم رہ سکتا تو وہی قوم زبردست کہلاتی ہے جس کے پاس نامور خطیبوں ادیبوں اور مقررین کی فوج ظفر موج ہوتی۔ لیکن امن مقرروں کی لچھے دار تقریروں سے قائم نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ قوم طاقت کے مفہوم سے آشنا ہو اور بے پناہ عسکری قوتوں اور جنگی طاقتوں سے لیس ہو کر آگے بڑھے۔ اس کے اندر احتساب کا جذبہ ہو اور وہ ہر لحظہ خود احتسابی کی منزل سے گزر کر اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرے کیونکہ

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

صدر والا قدر! آج اگر آپ کے پاس قوت ہے تو دشمن آپ پر وار کرنے سے گریز کرے گا۔ طاقت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دیا جائے'

وحشت و بربریت کو رواج دیا جائے' ظلم و تشدد کو عام کیا جائے' کمزور اقوام کی قسمت سے کھیلا جائے۔ مظلوموں کے خون سے ہولی کھیلی جائے بلکہ میری قرارداد کا مقصد تو امن قائم کرنا ہے۔ ایسا امن جو دیرپا بھی ہو اور پائیدار بھی۔ اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ آپ کے پاس قوت ہو۔ آپ کی افواج جدید عسکری آلات سے لیس ہوں کیونکہ اسی صورت ہی آپ کا دشمن آپ پر حملہ کرنے سے باز رہ سکتا ہے اور اسی صورت ہی آپ اپنے وجود کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔

دیدہ تر پہ وہاں کون نظر رکھتا ہے
کاسہ چشم میں خوناب جگر لے کر چلو
اب اگر جاؤ ہے' عرض مطلب ان کے حضور
دست و کشکول نہیں کاسہ سر لے کے چلو

جناب صدر! زمانہ شاہد ہے کہ جب بھی کوئی قوم ترقی کرتی ہے تو اس کے جوانوں کے ہاتھ قبضہ شمشیر پر ہوتے ہیں۔ مگر جونہی وہ قوم اس عسکری جذبے کو چھوڑ کر طاؤس و رباب کی محفلیں گرم کرنے لگتی ہے تو پھر زمانہ اسے ٹھوکروں پر رکھ لیتا ہے اور ہر آنے والا دن اس کی ذلت و رسوائی کی داستانیں رقم کرنے لگتا ہے۔ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے اسی لئے کہا تھا۔

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سنان اول طاؤس و رباب آخر

جناب صدر! اگر معزز قائد حزب اختلاف اور ان کے حواری عقل و خرد سے کام لیں اور مختلف ادوار کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو انہیں صاف طور پر نظر آئے گا کہ اسی قوم کے افراد امن و سکون سے بہرہ ور ہوئے ہیں جو مادی و اخلاقی قوت سے بہرہ ور تھی۔ غزوہ بدر سے لے کر' فتح مکہ تک اور جنگ قادسیہ سے لے کر ۱۹۶۵ء کے پاک بھارت معرکے تک ہر جگہ یہ حقیقت اظہر من الشمس نظر آتی ہے کہ امن کے قیام کے لئے طاقت کے وجود کو ناگزیر سمجھا گیا ہے۔ اگر کفر کے مقابلہ میں مسلمان صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے تو آج ان کا نام و

نشان تک نہ ہوتا بلکہ وہاں تو بارگاہ خداوندی سے ارشاد ہو رہا ہے۔

و جاهدو في الله جهاده

یعنی کافروں کے ساتھ یوں جہاد کرو جیسے جہاد کرنے کا حق ہے اور جہاد کرنے کا حق اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک ہم اپنی عسکری قوت کو مضبوط سے مضبوط تر نہیں بنائیں گے۔

جناب صدر! آج کمزور اقوام کے ساتھ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ ان کی فریاد کوئی بھی نہیں سنتا۔ ان مظلوم اقوام کے آنسو کوئی بھی نہیں پونچھتا۔ کس کس کا تذکرہ کیا جائے۔ کشمیر کا مسئلہ اپنی جگہ خون کے آنسو رلا رہا ہے قبرص میں مسلمان ظلم و تشدد کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اریٹر' اور فلسطین میں مسلمان رسوا ہو رہے ہیں۔ آخر اس کا سبب کیا ہے۔ ہم سب نے اقوام متحدہ کی طرف توجہ مبذول کر رکھی ہے مگر وہاں سے ہمیں قراردادوں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ باطل قوتیں سرعام دندناتی پھر رہی ہیں۔ ہماری ان رسوائیوں کے پیچھے ہماری یہ خامی موجود ہے جس کی طرف اقبال نے اشارہ کیا تھا کہ

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

صدر محترم! ہم کتنے کمزور سہی مگر پھر بھی ہم اتنے طاقتور ضرور ہیں کہ ہمارے ازلی حریف ہم پر ضرب کاری لگانے سے ہچکچا رہے ہیں۔ بھارت ہو یا روس اور اسرائیل سب کے سب دھمکیاں تو دیتے ہیں مگر ان کے باطن میں یہ خوف پوشیدہ ہے کہ اگر پاکستانی عسکری قوت نے ان کا بھرم توڑ کر رکھ دیا تو پھر کیا ہو گا۔ گویا اسی خطہ میں اگر تھوڑا بہت امن قائم ہے تو اس کا واحد سبب ہماری قوت و طاقت کا خوف ہے۔

ان معروضات کی روشنی میں صدر والا قدر! مجھے اس قرارداد کو پیش کرنے کی اجازت دیجئے تاکہ میں حقائق اور صداقتوں کی روشنی میں سرعام یہ اعلان کر سکوں کہ

"طاقت امن کی علامت ہے"

اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے انتخابات ضروری ہیں

(حمایت)

صدر گرامی قدر!

اسلام ایک مکمل دین فطرت اور کامل ضابطہ حیات ہے۔ دیگر مذاہب کی نسبت اسے یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے۔ آغوش مادر سے لے کر قبر کی تنہائیوں تک اسلام کی عظمتوں کے نقوش جگمگاتے ہیں اس کی رحمتیں لازوال اس کی برکتیں قائم و دائم' اس کی عنایات محیط بے کراں اور اس کی جگمگاہٹیں تاابد ہیں۔ چودہ صدیاں قبل جب اسلام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اعجاز قدسی کا مظہر بن کر ابھرا تھا اس وقت سے لے کر آج تک اسلام کئی اسلامی مملکتوں میں کلی یا جزوی طور پر نافذ رہا ہے اور بلاشبہ آج بھی تاریخ چشم عالم کی اوٹ سے پاکستان میں اسلام کے مکمل نفاذ کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔

جناب والا!

اسلامی نظام کے فیوض و برکات کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ البتہ مقام غور یہ ہے کہ اس نظام کا نفاذ اس طرح عمل میں آئے کہ یہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں میں نہایت کامیابی سے جاری و ساری ہو جائے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ قوم کو انتخابی عمل سے گزار کر اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے زمین ہموار کی جائے۔

جناب صدر! ارشاد خداوندی ہے کہ "تم میں ایک گروہ ایسا ہو جو امت مسلمہ کو نیکی کی طرف بلائے اور برائی سے منع کرے' بلاشبہ یہی لوگ فلاح پائیں گے" سچ پوچھئے تو یہی وہ جماعت ہے جو انتخابات کے ذریعے عوام کے دلوں کی دھڑکن بن کر اس منصب رشد و ہدایت کی اہل بن سکتی ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ انتخابی ڈھانچے میں وہ موثر تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں کہ وہ صالح قیادت بساط سیاست پر ابھرے جو ایک طرف قرآن و سنت کی رمز شناس ہو اور دوسری طرف معاملات سیاست کو کمال تدبر سے سلجھا سکے۔

زمانہ منتظر ہے پھر نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

جناب والا! عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جو شخصیت اپنے لئے پسندیدہ ہو' اس کی ہر بات دل پر اثر کرتی ہے۔ اگر ایسی شخصیت یا گروہ برائی کی طرف بھی راغب کرے تو قوم اس کی محبت میں آنکھیں بند کر کے اس راہ پر بھی چل نکلتی ہے۔ تو تصور کیجئے کہ اگر مسند اقتدار پر فائز شخصیت یا گروہ ہمارے لئے محبوب بھی ہو اور وہ اسلامی نظام کے موثر نفاذ کے لئے کام بھی کرے تو یقیناً جن مثبت نتائج کی توقع مہینوں میں کی جاتی ہے وہ دنوں میں بر آمد ہو سکیں گے۔

جناب والا! موجودہ دور معجزات کا دور نہیں ہے کہ چشم زدن میں دنیا کی تقدیر پلٹ جائے گی۔ اس لئے مجھے یہ عرض کرنے میں باک نہیں ہے کہ اگر طریق انتخابات میں موثر تبدیلی لائی جائے تو انتخابات کی امتحان گاہ ہی وہ واحد ذریعہ ہے کہ جہاں سے ہماری پسندیدہ شخصیات ہمارے دلوں کی دھڑکن اور ہماری آرزوؤں کا مظہر بن کر ابھریں گی۔ اسلام جو اب کائنات کا آخری پیغام ہے جب یہی منتخب صالح قیادت اس کا نفاذ عمل میں لائے گی۔ تو قوم کے قلوب و اذہان تسخیر ہوتے جائیں گے۔ یہاں قدم قدم پر تعزیر و سزا کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بحث برائے بحث کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے بلکہ قوم کے محبوب گروہ کی مقبولیت اسلام کے پرچم حقانیت کے سائے میں رحمت ایزدی کی مظہر بن جائے گی۔

جناب والا! انتخابات کہاں کار فرما نظر نہیں آتے۔ مختلف مذاہب عالم میں سے اسلام رب کریم کا پسندیدہ اور منتخب دین ہے۔ اس مذہب حقانیہ کو پیش کرنے کے لئے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا گیا اور نفاذ اسلام کے لئے کائنات کا وہ خطہ منتخب کیا گیا جہاں ظلمتوں کا راج تھا۔ یہی خطہ نورانیت مصطفیٰ کی جلوہ افروزیوں کا مرکز بننے والا تھا تاکہ چشم عالم منتخب دین' منتخب شخصیت اور منتخب خطہ عرب غرضیکہ تمام منتخبات خداوندی کے برحق ہونے کی گواہی دے سکے۔

جناب صدر! دوسری جانب کے مقررین کہہ سکتے ہیں کہ جو بھی چاہے' جب بھی چاہے اسلام نافذ کر سکتا ہے بھلا انتخابات کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ ماضی کے تلخ تجربات

شاہد ہیں کہ بہت سے سیاسی طالع آزماؤں نے اسلام کے مقدس نام کی آڑ میں اپنے شیطانی عزائم کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم تو دانائے کائنات تھے' انہیں کسی کے انتخاب کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن ذرا آگے پڑھیئے تو خلفائے راشدین کے دور میں مجالس شوریٰ کی مسلمہ اہمیت نظر آتی ہے۔ بلاشبہ یہی مجلس شوریٰ نفاذ اسلام کے لئے اقتدار کا سب سے موثر ادارہ بن سکتی ہے۔ یہی مجلس شوریٰ موجودہ اصطلاحات میں ایوان بالا یا کسی اور معزز نام سے موسوم کی جا سکتی ہے۔ بنا بریں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے انتخابات لازمی امر ہیں۔

جناب والا! آج کے طریق انتخابات پر اعتراض کیا جا سکتا ہے مگر انتخابات کی ضرورت اور اہمیت کو کم نہیں کیا جا سکتا۔ کسی چیز کے غلط طریق استعمال پر اعتراض سے اس چیز کی افادیت اور وجود سے کیسے منکر ہوا جا سکتا ہے۔ اور پھر انتخابات تو وہ چھلنی ہے جس سے دنیائے سیاست کا ناپسندیدہ اور فاسد مواد خارج ہوتا رہتا ہے۔ اور اس طرح سیاسی تطہیر کا فطری عمل جاری رہتا ہے۔ مقبول قیادت ابھرتی ہے اور ناپسندیدہ عناصر حالات کی گرد میں گم ہو جاتے ہیں۔

جاری عمل ہو جس جگہ پہ احتساب کا
کیوں نہ وہاں ہو سلسلہ پھر انتخاب کا

جناب والا! چونکہ پاکستان میں اسلام کا نفاذ قدرت کا فیصلہ بن چکا ہے اس لئے یہ خدشہ ہی بے بنیاد ہے کہ کوئی گروہ آگے آ کر اس عمل کو معطل کر سکے گا۔ مسئلہ اسلام کے نفاذ یا عدم نفاذ کا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ کون سا عمل اسلام کے نفاذ کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ اگر طریق انتخابات میں مناسب تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں' مناسب سیاسی ضابطہ اخلاق مرتب کر لیا جائے اور انتخابات لڑنے والوں کے لئے زہد و تقویٰ اور امور اسلامی سے واقفیت کا ایک معیار مقرر کر لیا جائے تو میں نے اب تک جو عرض کیا ہے اس کی روشنی میں انتخابی عمل سے ایسی انقلابی قیادت مطلع سیاست پر نمودار ہو گی جو اسلامی جذبے سے سرشار ہو گی۔ اس مخلص قیادت کو آپ کسی نام سے بھی پکاریں یہ اس امر کی اہل ہو گی کہ پاکستان میں

اسلامی نظام کے مکمل اور موثر نفاذ کا شرف حاصل کر سکے۔

جناب والا! ان دلائل کی روشنی میں اس قرارداد کی حمائت کرتے ہوئے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ

"اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے انتخابات ضروری ہیں"

---O---

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے
عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

مباحثہ

ارتکاب جرم کا اصلی ذمہ دار معاشرہ ہے' نہ کہ فرد

(حمایت).

جناب صدر! جرائم جنت کے معاشرہ میں ہوں یا اس کرہ ارضی کے کسی معاشرہ میں۔ اور ملزم آدم کو قرار دیا گیا ہو یا اولاد آدم کو۔ یہ بات ایک کلیہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے کہ ان تمام جرائم کے ارتکاب کے محرکات و عوامل فرد نے نہیں بلکہ معاشرہ نے ایک ایک کر کے فراہم کیے ہیں۔ مگر مٹھی بھر انسانوں نے اپنے ذاتی مفاد کے پیش نظر ہمیشہ یہ کوشش کی کہ معاشرہ کی ذمہ داری ان افراد پر ڈالی جائے جنھوں نے جرائم کا ارتکاب کیا۔ حالانکہ ذرا بھی غور و فکر کے بعد اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کی براہ راست ذمہ داری معاشرہ پر ہوگی کیونکہ اصلی مجرم معاشرہ ہے۔

جناب والا! انسان نے جب سے معاشرہ کو جنم دیا اور مل جل کر آگے بڑھنے کے فلسفہ بقائے باہمی کو اپنا مطمع نظر ٹھہرایا۔ اس وقت سے لے کر آج تک کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جو ذہنی طور پر مجرم ہو۔ اگر ہر انسان معصوم کی شکل میں جنم لیتا ہے اور فرشتہ بن کر اس کرہ ارض پر قدم رکھتا ہے تو آخر وہ شیطان کا روپ کیوں دھار لیتا ہے۔ یہ کوئی دقیق بات نہیں جو عقل و شعور اور فہم و فراست سے بالا ہو۔ سیدھی اور واضح بات ہے۔ ایسے ہی جیسے نور آفتاب۔

جناب، صدر! جسم فروشی ایک بد ترین جرم ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس پر آج تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور اس موضوع پر لکھنے والوں کا اتفاق ہے کہ یہ بد ترین پیشہ کوئی عورت بھی بخوشی تسلیم نہیں کرتی بلکہ حالات نے اسے اس نیلام گھر کی زینت بنا دیا جسے عرف عام میں بازار حسن کہتے ہیں۔ مگر آج یہ بازار حسن دم توڑ رہے ہیں۔ چنانچہ امریکہ کے مشہور مصنف ڈاکٹر آر تھرا اپنی کتاب "گناہ اور سائنس" میں رقم طراز ہیں کہ "روس میں جسم فروشی کے بد ترین کاروبار کو سائنٹیفک بنیادوں پر ختم کر دیا گیا۔ آج وہاں کوئی جسم فروش عورت نہیں

کیونکہ وہ معاشرہ ختم کر دیا گیا جس نے حوازادی یشودھا کی ہم جنس کو "اس بازار" کی زینت بنا دیا تھا۔ اگر یہ گھناؤنا جرم معاشرہ کے بجائے فرد کی پیداوار ہوتا تو روس میں آج بھی اسے ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہاں ایک نہیں پچیس کروڑ انسان بستے ہیں۔

صدر گرامی! اگر معاشرہ کی بنیاد ذاتی اغراض و مقاصد پر ہو اور دولت ہی سب سے بڑا معیار ہو۔ دوسرے معنوں میں مال و زر کا حصول ہی انسان کا مطمع نظر بن جائے تو ایسے معاشرہ میں ہر فرد دولت کے حصول کے لئے ناجائز طریقہ استعمال کرے گا خواہ اس کے لئے اسے وطن سے غداری کرنا پڑے' سماج دشمنی اختیار کرنا پڑے یا کسی گھناؤنے جرم کا ارتکاب۔ مگر وہ معاشرہ جو ان مال و زر پر شخصیت کا انحصار نہیں بلکہ علم و ہنر پر ہے وہاں ایسے جرائم پیدا ہی نہیں ہو سکتے۔ اسلام جیسے عالمگیر مذہب نے بھی ایک صالح اور بہترین معاشرہ کے قیام پر زور دیا ہے۔ آئے دن جو قتل و غارت ہوتی رہتی ہے اس کی اصل وجہ معاشرے میں دولت اور سیم و زر کی برتری کا تصور ہے جس کی وجہ سے دیہات انسانی خون سے لالہ زار بن چکے ہیں۔

جناب والا! آپ جانتے ہیں کہ جب کوئی ملک صنعتی بحران سے دو چار ہوتا ہے' کارخانے بند ہوتے ہیں معذوروں سے روزگار چھنتا ہے تو وہ زندہ رہنے کے لئے چوری اور ڈاکہ کو ذریعہ بناتے ہیں۔ اور پھر ایک بار جو اس ڈگر پر چل نکلتا ہے' اسے اپنے تحفظ کے لئے اس پر خطر پگڈنڈی پر چلنے میں ہی عافیت محسوس ہوتی ہے اور پھر وہ شاید ہی واپس لوٹتا ہے۔ چوری مسجد سے جوتی اڑانے کے سلسلہ میں ہو یا کسی مل پر ڈاکے کی صورت میں رونما ہو اس جرم کا اصلی ذمہ دار معاشرہ ہے نہ کہ فرد جس نے اس جرم کا ارتکاب کیا کیونکہ معاشرہ نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ اس راہ کو اختیار کرے۔

جناب والا! جرم چھوٹا ہو یا بڑا سماجی ہو یا سیاسی۔ اس کے مرتکب کے سامنے ایسی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں جو معاشرہ اس کے لئے کھڑی کر دیتا ہے اور پھر اسے اس آتش نمرود میں چھلانگ لگانی ہی پڑتی ہے۔

جناب والا! آئے دن بچوں کے اغوا کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ سوچیے کہ اغوا کنندگان کو اس سے کون سی ذہنی لذت میسر ہے۔ بات سیدھی سادی ہے کہ معاشرہ نے ان کی زندگی کا

بار اٹھانے سے انکار کر دیا ان کی صلاحیت مجبور ہو کر دوسری طرف چل پڑی اور انہوں نے اس گھناؤنے کاروبار کا ایندھن بننا منظور کر لیا۔ اگر انہیں معاشرہ ان کی صلاحیت اور کارکردگی کے مطابق کوئی جگہ دیتا تو وہ بردہ فروشی کو اپنا ذریعہ معاش نہ بناتے۔ مگر معاشرہ نے ان کی یہ ذمہ داری قبول نہ کر کے انہیں اپاہج کر دیا۔ اور آج وہ اس متمدن دور میں معاشرہ کے حسین ماتھے پر بدترین داغ ہیں جس نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔

جناب والا! اسلام نے انسان کی عظمت کی بنیاد اس کے کردار کی سربلندی پر رکھی ہے کہ جو شخص جتنا پرہیزگار ہو گا۔ اتنا ہی زیادہ محترم ہو گا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک صالح معاشرہ تخلیق کرنا چاہتا ہے۔ شارح اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے معاشرتی زندگی کے جن حقوق و فرائض پر زور دیا ہے ان کا مدعا بھی یہی تھا کہ انسانی اخلاق اور صالح بنیادوں پر ایسا معاشرہ وجود میں آ جائے جو اخلاق و کردار کا گہوارہ ہو اور جس میں ہر فرد کے حقوق محفوظ ہوں۔

جناب والا! شراب نوشی بھی ایک گھناؤنا جرم ہے۔ مگر یہ بدترین جرم بھی معاشرہ کی اندھی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ جو لوگ معاشرہ کے پیدا کردہ مصائب کا مقابلہ نہیں کر سکتے انہیں میکدہ کی راہوں میں ہی عافیت ملتی ہے اور اسی ڈگر پر چل نکلتے ہیں۔ چنانچہ شاعر خمریات عدم نے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ

میں میکدے کی راہ سے ہو کر نکل گیا
ورنہ سفر حیات کا بے حد طویل تھا

جناب والا! ان حقائق کے پیش نظر مجھے اجازت ہے کہ میں قائد ایوان کی اس قرارداد کے سلسلہ میں پر زور تائید کروں کہ ارتکاب جرم کا اصل ذمہ دار معاشرہ ہے نہ کہ فرد!

---O---

جمہوریت ایک دھوکا ہے

(حمایت)

صدر گرامی قدر! میں اس ایوان کے سامنے پیش کی جانے والی قرارداد کی حمائت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جب قدرت اس کائنات کو تخلیق کرتے ہوئے یہاں انسانیت کے پھول بکھیر رہی تھی تو انہی پھولوں کے درمیان شیطان بھی تباہی و بربادی کے کانٹے چھپا رہا تھا جہاں قدرت اس کرہ ارض کو امن و سکون کا گہوارہ بنا دینا چاہتی تھی وہاں طاغوتی طاقتیں بھی اپنی عیاری و مکاری کے جال بچھا دینے میں مصروف تھیں۔ ابلیس کی نمائندہ یہی قوتیں ہر زمانے کے مزاج میں ڈھل کر کسی نہ کسی روپ میں سامنے آتی رہی ہیں اور آج کے دور میں مغرب کا جمہوری نظام بھی انہی قوتوں کا ایک خوشنما روپ ہے اقبال نے غلط تو نہیں کہا

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

جناب والا! دوسری طرف کے مقررین یہ کہتے نہیں تھکتے کہ نظام جمہوریت ہی صحیح معنوں میں عوام کی نمائندگی کر سکتا ہے لیکن ان کا یہ دعویٰ بھی دوسرے دلائل کی طرح غلط ہے ایک حلقہ میں دو لاکھ ووٹ ہیں اور وہاں چھ امیدوار انتخاب میں حصہ لے رہے ہیں ان میں ایک شخص صرف چالیس ہزار ووٹ لے کے محض اس بنا پر کامیاب ہو جاتا ہے کہ اس نے انفرادی طور پر ہر امیدوار سے زیادہ ووٹ لئے۔

لیکن انصاف کیجئے جناب والا! کیا یہ امیدوار صحیح معنوں میں اس حلقہ انتخاب کا نمائندہ ہے اگر یہی نمائندہ ہے تو بقیہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار افراد کا نمائندہ کون ہو گا اگر یہی داستان پورے ملک میں دہرائی جائے تو پھر بساط اقتدار پر وہ گروہ قابض ہو جائے گا جو مغربی جمہوریت کی میزان پر تو پورا اترتا ہو گا مگر عوام کی اکثریت کا ہرگز ہرگز ترجمان نہیں ہو گا۔

اور پھر جناب صدر! جب اقلیت کا ترجمان یہی مختصر سا گروہ زبردستی ملک کی اکثریت کا ترجمان

بن بیٹھے گا تو پھر ظاہر ہے کہ یہ اپنے ووٹ دہندگان کے مفادات کا ہی خیال رکھے گا اور اسے اکثریت کے مسائل اور ان کے حل سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

جناب والا! بساط اقتدار پر فائز ہونے والے! قلیتی گروہ کو ہمیشہ اس اکثریت سے خوف رہے گا جس کے یہ زبردستی ترجمان بن بیٹھے ہوں گے اپنے اقتدار کی مدت کو طول دینے اور اپنی مرضی کو منوانے کے لئے یہ کیا کچھ نہیں کر گزریں گے ہمارے وطن عزیز کی ماضی کی تاریخ جمہوریت کے بدترین تجربات کی شاہد ہے کہ اسی نظام کی بدولت ایک تہائی ووٹوں سے منتخب ہونے والے دو تہائی عوام کی قسمت کے مالک بن بیٹھے اور اقتدار کو جاری و ساری رکھنے کے لئے آمریت کی تمام لعنتوں کو جمہوریت کی قبا پہنا دی گئی۔ اور اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مغربی جمہوریت کا لباس ہمیشہ آمروں اور ڈکٹیٹروں کے جسم پر ہی پورا اترتا ہے اسی لئے تو اقبال نے کہا ہے کہ

ہے وہی ساز کہن مغربؑ کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

جناب والا! دوسری طرف کے مقررین جمہوریت کو یہ اعزاز بھی دیتے ہیں کہ اس سے صحیح اور پاکیزہ قیادت ابھرتی ہے لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ انتخابات میں کس آزادی سے ترغیب و تحریص سے کام لیا جاتا ہے ووٹوں کی تجارت ہوتی ہے برادری قبیلے اور حسب و نسب کے بت زندہ کئے جاتے ہیں بعض اوقات ایک خدا ترس، محب وطن اور دیانتدار شخص محض اس لئے منتخب نہیں ہو سکتا کہ اس کی برادری وسیع نہیں ہے اور وہ صاحب ثروت نہیں کہ ووٹوں کی خریداری کر سکے اس طرح محض کچھ ووٹوں کی زیادتی سے کوئی ایسا شخص آگے آ جاتا ہے جو اپنے ذاتی مفاد کے لئے ملک و ملت کو بھی داؤ پر لگانے سے دریغ نہ کرتا ہو آپ کس طرح اس سچائی کو جھٹلا سکتے ہیں کہ

جمہوریت اک طرز تماشہ ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جناب والا! آپ نے دیکھا کہ جمہوری نظام کے مبلغین اس کی خوبیاں گنواتے نہیں تھکتے بلکہ بعض تو اس کا سلسلہ اسلام کے نظریہ سیاست سے جا ملاتے ہیں لیکن ان کا یہ دعویٰ بھی غلط اور دلیل سطحی ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے اور آپ نے دیکھا ہو گا کہ تنکوں پر سواری کرنے والے کبھی سمندر پار نہیں کیا کرتے جمہوریت اور نظام جمہور جیسے بظاہر خوشنما الفاظ خالصتاً" مغربی سامراج نے ہمیں ایک طویل عرصہ تک غلام رکھنے کے بعد اپنی وراثت میں بخشے ہیں مگر یہ اسلام کے نادان دوست ہیں کہ

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

جناب صدر! چشم انسانیت تو ایسی قیادت کی منتظر ہے جو حقیقی معنوں میں عامتہ الناس کی نمائندہ ہو زمانہ تو کسی ایسی حقیقت منتظر کو لباس مجاز میں دیکھنے کا خواہاں ہے۔ جو دکھی دلوں کی پکار کا جواب ہو انسانیت کے لئے باعث افتخار ہو کوئی ایسی قیادت جو "**سیدالقوم خادمہم**" کے مصداق راتوں کو جاگ کر دیکھے کہ اس کی قوم سکون سے سو رہی ہے یا نہیں جو اس خوف سے لرزاں رہے کہ اگر دریا کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا رہا تو قیامت کو خدا مجھ سے جواب طلب کرے گا جو اس قدر خود احتساب ہو کہ اپنی رعایا سے کہے کہ اگر میں صراط مستقیم سے بھٹکنے لگوں تو تلوار سے مجھے سیدھا کر دینا جو حسب و نسب اور خاندان و برادری کے تصورات سے ماوریٰ ہو اور ووٹوں کی خریداری سے برسراقتدار نہ آئی ہو ایسے پاکیزہ نظام سیاست کا اس بدنام مغربی نظام جمہورت سے کیا تعلق۔

چشم عالم ڈھونڈتی ہے آج پھر ایسا نظام
حکمراں پیدل چلے بیٹھے سواری پر غلام

جناب والا! ان دلائل کی روشنی میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں قرارداد کی حمائت کرتے ہوں یہ سکوں کہ

"جمہوریت ایک دھوکا ہے"

شخصیت کی ترقی مصائب کی آغوش میں ہے

(قرارداد کے حق میں دلائل)

صدر گرامی قدر! ہر انسان کی شخصیت کا ایک پس منظر ہوتا ہے اور اس پس منظر میں جو اعمال وحقائق پیش آتے ہیں وہی دراصل اس شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں خوشی اور غم دکھ اور سکھ ایسے متضاد الفاظ ہیں کہ جن کے اندر سمندروں سے بھی زیادہ گہرائی اور افلاک سے زیادہ وسعت پوشیدہ ہے ایک طرف خوشی اور سکھ انسان کو بے پناہ مسرت و لذت بخشتے ہیں اور دوسری طرف غم اور دکھ انسان کو تجربات و حوادث کی بھٹی سے گزارتے ہیں یہی آزمائش ذرے کو آفتاب اور قطرے کو گہر بنا دیتی ہے یہی وہ مصائب کی آزمائش گاہ ہے جو مس خام کو کندن بناتی ہے خوشی اور سکھ سے جو مسرت و فرحت حاصل ہوتی ہے اس کے اثرات عارضی ہوتے ہیں لیکن انسانی شخصیت پر آلام و مصائب جو اثرات ڈالتے ہیں وہ پائیدار اور دائمی ہوتے ہیں عیش و عشرت سے انسان اپنی ذات کو گھن لگا لیتا ہے لیکن مصائب و آلام کے ساتھ دیوانہ وار کھیلنے والا نہ صرف پوری قوم کے لئے باعث فخر بن جاتا ہے بلکہ مصائب کی انتہا اسے پھانسی کے تختے پر بھی لٹکا دے تو وہ حیات ابدی پا لیتا ہے۔

جناب صدر! تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت پوری شدت کے ساتھ واضح ہو جاتی ہے کہ ہمیشہ اس شخصیت کو کمال حاصل ہوا جس کے پس منظر میں مصائب کی جلوہ کاری تھی دنیا میں جتنی عظیم شخصیات گزری ہیں وہ سب مصائب کی آغوش سے اٹھی تھیں اقبال کے لفظوں میں

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

جناب والا! زندگی کا سب سے بڑا ثمر تجربات و حوادث ہیں اور انہی حوادث سے شخصیت کا خمیر اٹھتا ہے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے والے انسان کے نزدیک زندگی صرف کھانے پینے کا نام ہے اور ایسا آدمی زندگی کے صرف ایک رخ سے آگاہ ہوتا ہے لیکن جس انسان نے

مصائب کی آغوش میں آنکھ کھولی ہو جس نے حوادث کے گھوارے میں ہوش سنبھالا ہو جسے شدائد زمانہ نے پال پوس کر جوان کیا ہو اور جس نے رنج و آلام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک ایک دن بسر کیا ہو وہی انسان بتا سکتا ہے کہ زندگی کی اصل حقیقت کیا ہے اور یہی وہ انسان ہوتا ہے جس کی شخصیت صحیح معنوں میں عظمت سے ہمکنار ہوتی ہے کیونکہ

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

صدر محترم! سیدنا آدم علیہ اسلام نے تعمیر انسانی کی خاطر صدہا آلام اٹھائے جناب خلیل اللہ آتش نمرود میں کود پڑے حضرت موسیٰ وطن سے بے وطن ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کو چاہ کنعان اور پھر مصر میں برسوں کی غلامی سے واسطہ پڑا خود سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو راہ حق میں وہ مصائب برداشت کرنا پڑے کہ جن کے ذکر سے ہی مورخ کا قلم لرز اٹھتا ہے اور پھر جناب حسینؓ کی میدان کربلا میں قربانی رہتی دنیا تک یادگار رہے گی کہ جنہوں نے دین کی حرمت کی خاطر پورا باغ نبوت ہی لٹا دیا امام احمد بن حنبلؒ نے کوڑے کھائے مجدد الف ثانی نے قید و بند کی سختیاں برداشت کیں ان تمام شخصیات نے ہمیشہ مصائب و آلام کو لبیک کہا اور حق و صداقت کے راستہ میں ان کا قدم ایک لحہ کے لئے بھی نہ ڈگمگایا۔

صدر محترم! دنیا آج صرف ایسی ہی شخصیات کو یاد کرتی ہے جنہوں نے دنیا میں حق وانصاف کا پیغام پھیلایا اور وقت کے ہر طوفان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ضرورت پیش آئی تو یہ عظیم نفوس مسکراتے ہوئے تختہ دار پر لیٹ گئے دنیا کبھی کسی محمد شاہ رنگیلے یا اس جیسے عیاش افراد کو اچھے لفظوں میں یاد نہیں کرتی کیونکہ ان کی زندگی صرف عیش و عشرت تک محدود تھی جب کہ حقیقی زندگی عیش کوشی سے بہت بلند ہے۔

یاد کرتا ہے زمانہ انہیں انسانوں کو
روک دیتے ہیں جو بڑھتے ہوئے طوفانوں کو

جناب والا! قدرت عظیم مقاصد کی تکمیل کے لئے ہمیشہ عظیم افراد منتخب کرتی ہے منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہونے والوں کے مقاصد کبھی عظیم نہیں رہے آپ کو ڈھونڈے سے

بھی کوئی مثال نہیں ملے گی کہ دولت کے گہواروں میں پلنے والوں نے کبھی کوئی کارنامہ انجام دیا ہو بلکہ یہی دولت کی فراوانی نمائشی چکاچوند اور عیش و عشرت ان کی شخصیت مسخ کر کے رکھ دیتے ہیں یہ تن آسان اور عیش کوش ملک کے کام کیا آئیں گے ان کا وجود ہی ملک و ملت کے لئے باعث ننگ ہوتا ہے ان کے مقابلہ میں وہ عظیم انسان کہ جن کی تربیت آغوش حوادث میں ہوتی ہو' نہ صرف خود بلند فکر' اولوالعزم اور تدبر و سیاست سے بہرہ ور ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنی ان صلاحیتوں کی بدولت ملک و ملت کو بھی بے پناہ فوائد بخشتے ہیں۔

جناب والا! جو شخص مصائب سے ڈر کر رہے ذرا سی تکلیف سے بھی گھبرا جائے منزل کی جانب سفر کا ارادہ کرتے ہی جس کی سانس پھول جائے وہ کیا نام پیدا کرے گا۔ گلوں کے ساتھ خار اور سکھ کے ساتھ دکھ کا چولی دامن کا ساتھ ہے جو کانٹوں سے گھبرائے وہ پھولوں کا ہار کس طرح گلے کی زینت بنا سکتا ہے جسے پانی سے خوف آئے وہ سمندر کی تہہ سے صدف کس طرح نکال سکتا ہے ہمیشہ وہی نامور کہلاتے ہیں جو مصائب و آلام کے راہوار پر سواری کرنا جانتے ہوں کیونکہ

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

جناب والا! موت سے گھبرانے والا کبھی کامیاب زندگی نہیں گزار سکتا۔ اگر مجاہدین اسلام موت سے خائف ہو جاتے اور تبلیغ اسلام کی خاطر پیش آنے والے خطرات سے ڈر جاتے تو آج فرزندان توحید اس کثرت سے نظر نہ آتے۔ آج کی عظیم طاقت امریکہ کی دریافت ایک سیاح کولمبس کی داستان عزم وہمت سے عبارت ہے وہ تمام ایجادات کہ جنہوں نے آج کے دور کو انسانی ترقی کی معراج بنا دیا ہے خود بخود تو وجود میں نہیں آ گئیں بلکہ ان کو موجودہ مکمل صورت میں لانے کے لئے کتنے عظیم دماغ تھے جو مشن کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے مادی و روحانی مصائب برداشت کرتے رہے اور بالآخر کامیابی نے ان کے قدم چومے۔

جناب صدر! ان حقائق کی روشنی میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس قرارداد کی تائید کر سکوں کہ "شخصیت کی ترقی مصائب کی آغوش میں ہے"

ایف۱۶... امن کے لئے ضروری ہے

(حمایت)

صدر گرامی قدر! میں آپ کی وساطت سے ایک اہم قرارداد آج کے ایوان میں پیش کرنا چاہتا ہوں یہ قرارداد ایک ایسے اصول پر مبنی ہے جو ایک ملک کو صرف تحفظ کا احساس ہی نہیں بخشتا بلکہ امن عالم کے خوشگوار نتائج بھی مرتب کرتا ہے ظاہر ہے کہ اگر آپ میں اپنا تحفظ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو آپ کے پڑوسی کسی وقت بھی آپ کی نیند حرام کرسکتے ہیں لیکن اگر آپ کے پاس قوت ہوگی تو آپ پر حملہ کرنے سے قبل انہیں ممکنہ تباہی کے بارے میں بھی سوچنا ہو گا۔

جناب والا! آج کی قرارداد میں ایف۱۶ کے الفاظ اغیار کو جارحیت سے باز رکھنے کے لئے اپنی دفاعی صلاحیتوں کے فروغ کی طرف اشارہ کرتے ہیں ملکی سالمیت اور سرحدوں کے دفاع کے لئے عسکری قوت حاصل کرنا کوئی عیب نہیں بلکہ عین حب الوطنی ہے۔

صدر والا قدر! رب دو عالم کا ارشاد ہے

و اعدو لہم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل (سورہ الانفال)

اس طرح خدائے کریم مسلمانوں کو ہر ممکن انداز سے سامان حرب و ضرب اور بھرپور جنگی تیاریوں کا حکم دے رہے ہیں قرآن نے ظلم و تشدد و فتنہ انگیزی کے لئے یہ طاقت حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اہل عمل تو مسلمانوں کی قوت کو امن عالم کا وسیلہ ٹھہرا رہے ہیں۔

جناب صدر! تاریخ اسلام میں جہاں مسلمانوں کے بے پناہ ایمانی جوش و خروش کا روح پرور تذکرہ ملتا ہے وہاں مسلمانوں کی جنگی اور دفاعی تیاریوں کا پتہ بھی چلتا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر اسلامی کو روانہ کرنے سے پہلے اس کے اسلحہ کا خود جائزہ لیتے تھے یہ درست ہے کہ مسلمانوں کے پاس اسلحہ نہ ہونے کے برابر ہوتا تھا لیکن جتنا اسلحہ بھی میسر آتا تھا مسلمان اس کے حصول سے گریز نہ کرتے تھے۔

جناب محترم! بدر، احد، خندق، حنین اور پھر تبوک کے معرکے گواہ ہیں کہ حضور جنگی

ہتھیاروں کی فراہمی کی خود نگرانی فرمایا کرتے تھے قرآن حکیم نے مسلمانوں کی اس مادی و روحانی قوت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار ورحماء بینہم

اقبال کے لفظوں میں

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جناب والا! یوں تو ایف ۱۶ قسم کے طیاروں کے حصول پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ طیارے خلاف امن مقاصد کے لئے استعمال ہوں گے لیکن محض موہوم سے شبہ کا سہارا لے کر تو طیاروں کے حصول کو امن کے منافی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

صدر محترم! جنگ عظیم کی تباہ کاریاں اپنی جگہ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر جرمنی کے مقابلہ میں دوسرے ممالک کے پاس اسلحہ بالکل نہ ہوتا تو اس صورت میں ہونے والا نقصان بعد میں ہونے والی تباہی سے کہیں زیادہ ہولناک ہوتا اس دور میں فقط اسلحہ کے خوف نے ہی بعض ممالک کو دوسرے ممالک پر حملہ سے باز رکھا اور نازی جرمنی کے تباہ کن عزائم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔

صدر ذی وقار! اگر سعودی عرب یا مصر کے پاس چند ایف ۱۶ قسم کے جنگی طیارے آ جاتے ہیں یا پاکستان کو کچھ طیارے مل جاتے ہیں تو ان سے عالمی توازن پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا البتہ ہمارے دشمنوں کو ہم پر حملہ کرنے سے پہلے سوچنا ہو گا۔

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

والا قدر! پاکستان تو اپنے قیام سے ہی فروغ امن کے لئے کوشاں ہے لیکن کوئی ملک بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ امن کے نام پر اس کی آزادی سلب کر لی جائے ڈھاکہ کے گلی کوچوں میں پاکستان کی بقا کی جنگ لڑی جا رہی ہو اور ہم جدید اسلحہ نہ ہونے کی بنا پر خالی ہاتھوں امن کی فاختہ اڑاتے رہیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے متحدہ پاکستان ٹکڑوں میں بٹ جائے کوئی بھی غیور

پاکستانی گوارا نہیں کر سکتا۔

عالی جاہ! جب بھی ہندوستان کو یقین ہو جاتا ہے کہ پاکستان دفاعی اسلحہ کے لحاظ سے تہی دامن ہے وہ تمام بین الاقوامی اصول پامال کر کے ہماری سرحدوں پر حملہ کر دیتا ہے اس عالمی غنڈے کو اس کی اپنی سرحدوں تک محدود رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ایف ۱۶ سمیت ہر قسم کی جنگی اور ایٹمی صلاحیت حاصل کی جائے۔ اینٹ کا بھرپور جواب دینے کے لئے آپ کے پاس پتھر ضرور ہونا چاہئے آپ کے ہاتھ میں پتھر کی موجودگی مخالف کو آپ پر حملہ کرنے سے باز رکھے گی۔

ذی وقار! کسی نے خوب کہا ہے کہ

"Strong hand is a must to avoid agrassion"

آپ کی دفاعی اور حربی قوت آپ کے بدخواہوں کو آپ پھر حملہ کرنے سے باز رکھے گی اور آپ خاموشی سے فروغ امن کے لئے کام کرتے رہیں گے۔

صدر محترم! آج کا دور سائنس کا ہے آج کی دنیا سیبر اور جیٹ طیاروں سے گزر کر ایف ۱۶ کے دور میں داخل ہو چکی ہے ہم نصف صدی قبل کے زمانہ میں سانس لے کر زندہ نہیں رہ سکتے کیونکہ

مٹا دے گی دنیا جو پیچھے رہے گا
چلو تم بھی اوروں کے شانہ بشانہ

ہمیں ہر ممکن طریق سے جنگی اور دفاعی قوت حاصل کرنی چاہئے کہ ۱۹۷۱ء کی عبرتناک داستان نہ دہرائی جا سکے جب ہمارے اتحادیوں نے نئے ہتھیار تو کجا پرانے ہتھیاروں کے فالتو پرزے تک دینے سے انکار کر دیا تھا۔

والا قدر! اگر آج کی دنیا میں امن و سلامتی کی معمولی سی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے تو محض اس وجہ سے کہ بڑی طاقتوں نے جنگی اسلحہ کے ڈھیر لگا رکھے ہیں اور اسی اسلحہ کا خوف انہیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے باز رکھے ہوئے ہے۔

جناب والا! اگر پاکستان کو اس کی مطلوبہ دفاعی اور ایٹمی صلاحیت بہم پہنچا دی جائے تو یقیناً

ہمارے ذہین اور محنتی سائنس دان ان سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے اور مضبوط و مستحکم پاکستان صرف امن عالم کے لئے ہی سنگ میل ثابت نہیں ہوگا بلکہ عالم اسلام کا ایسا مضبوط ترین قلعہ بھی ثابت ہوگا جسے تمام باطل قوموں کا اتحاد بھی گرانے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

صدر عالی منزلت! ان دلائل کی روشنی میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں آج کے اس ایوان میں حقائق پر مبنی یہ قرارداد پیش کرسکوں کہ

"ایف-۱۶... امن کے لئے ضروری ہے"

---O---

وہ دانائے سُبل ختمُ الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی کیا

صدر محترم! آج کے اس معزز ایوان میں پیش کی جانے والی قرارداد کی مخالفت میں محض سیرت پر انحصار کرنے والوں کی مخالفت کر کے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا؟

صدر ذی وقار! انسان کی شخصیت کے دو روپ ہوتے ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ آپ کسی بھی انسان سے گفتگو کرتے ہوئے اس کے ظاہر کی اہمیت سے نظریں نہیں چرا سکتے اگر اس کا ظاہر خوبصورت نہیں اور اس کا چہرہ حسن سے عاری بدصورتی کا شاہکار ہے تو پھر ذہن فوری طور پر اس کو قبول کرنے سے انکار کر دے گا۔ گویا پہلی ملاقات میں صورت کا حسن ہی انسان کی عظمت کو مسلم کرتا ہے۔

پہلی نظر میں دیکھیے صورت کی دل کشی
سیرت نہیں حسین تو پھر دیکھا جائے گا

جناب والا! کہتے ہیں کہ انسان کا چہرہ اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں انسان اگر بد کردار ہے تو اس کی بد کرداری کے آثار اس کے چہرے سے بھی ہویدا ہوں گے۔ اور اس کا چہرہ کراہت کا نمونہ پیش کرے گا اور اگر وہ شخص حسین کردار اور خوبصورت سیرت کا مالک ہے تو اس کا چہرہ بھی حسن و جمال کا نمونہ ہو گا۔ گویا چہرے کی آئینہ داری کسی بھی شخصیت کا حقیقی نمونہ پیش کرتی ہے محض سیرت' سیرت کی رٹ لگانے والوں کو اس حقیقت کی روشنی میں صورت کی عظمت سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔

صدر محترم! سیرت کا علم بہت دیر کے بعد ہوتا ہے اور بہت عرصے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ فلاں آدمی صاحب کردار ہے جب کہ انسان کی صورت فوراً حقیقی تصویر نگاہ کے سامنے پیش کر دیتی ہے۔ اگر آپ کسی شخص سے تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں اس کو اپنا بنانا چاہتے ہیں اس سے کاروبار کرنا چاہتے ہیں تو آپ برسوں اس کے کردار کا مطالعہ نہیں کریں گے بلکہ اس کی

صورت کی ایک جھلک ہی آپ کو بتا دے گی کہ یہ شخص صاحب کردار ہے کہ نہیں۔ اس حقیقت کی روشنی میں دیکھیں تو صورت سیرت پر صاف بازی لے جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ میں صورت کی عظمت کی نفی کرنے والوں سے یہی کہوں گا کہ۔

ان عقل کے اندھوں کو الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

جناب والا! ذرا سی دیر کے لئے سرور کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظیم الشان شخصیت پر ایک نظر ڈالئے آپؐ کی سیرت بھی لازوال تھی اور صورت بھی بے مثال تھی قرآن نے آپؐ کے چہرے کو یٰسین اور طٰہٰ کہا آپؐ کی صورت اتنی دلکش اتنی من موہنی اور اس قدر حسین و جمیل تھی کہ جو بھی دیکھتا ایک نظر دیکھتے ہی پکار اٹھتا کہ اس قدر حسین چہرہ رکھنے والا جھوٹ نہیں بول سکتا آپ کی صورت کا حسن اس کے چہرے پر یوں اثر کرتا کہ پھر خدا کی توحید اور آپؐ کی رسالت پر ایمان لائے بغیر وہ نہ رہ سکتا۔ گویا آپؐ کی صورت نے تبلیغ اسلام کا وہ کارنامہ انجام دیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

صدر عالی مرتبت! جب میں صورت کی عظمت کی بات کرتا ہوں تو میں سیرت کی نفی نہیں کرتا میں تو فقط صورت کی سیرت پر فوقیت کی بات کرتا ہوں اہل شوق کہتے ہیں۔ **واللہ جمیل و یحب الجمال**' اللہ حسین ہے اور وہ حسن و جمال سے محبت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے جملہ پیغمبروں کو حسن صورت عطا کر کے بھیجا تاکہ یہ کائنات ان کو ایک نظر دیکھتے ہی مجھ پر ایمان لے آئے کہ جو اتنی حسین صورتیں تخلیق کرتا ہے وہ خود کس قدر بلند و بالا اور برتر خالق ہو گا۔ شاعروں کے دیوان دیکھئے یا ادیبوں کی تحریریں ہر جگہ جمال و صورت کی بالاتری نظر آتی ہے بد صورت کو تو کوئی پاس بھی نہیں بٹھاتا صورت کی عظمت کو زمانہ تسلیم کرتا ہے تو پھر آج کے معزز ایوان میں چند مقررین صورت کی عظمت کو کم کرنے کی ناکام کوشش تو کر سکتے ہیں مگر کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ صورت کا حسن ایک سچائی ہے اور سچائی کے چراغ کو کوئی نہیں بجھا سکتا ان حقائق کی روشنی میں مجھے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ صورت کے ہم غلام ہیں سیرت ہوئی تو کیا؟

---O---

مباحثہ

"تعلیم انسان کو بزدل بنا دیتی ہے"

(مخالفت)

صدر گرامی قدر! مجھے آج اس ایوان میں پیش کردہ قرارداد کی مخالفت میں کچھ عرض کرنا ہے

دلیری اور بزدلی دو ایسی صفات ہیں جن کا تعلق بہت حد تک انسان کے دل سے ہوتا ہے اگر انسان دل کا کمزور ہو گا تو ظاہری طور پر وہ مضبوط جسم رکھنے کے باوجود میدان عمل سے راہ فرار کی تدبیریں سوچے گا۔ لیکن اگر انسان کا دل ہمت و شجاعت سے بھرپور ہو گا تو وہ بظاہر جسمانی طور پر حقیر ہونے کے باوجود اپنے حریف پر چھا جائے گا۔ اگر ان صفات کا تعلق دل سے مان لیا جائے تو پھر اس عظیم حقیقت کو جھٹلانا ناممکن ہو جائے گا کہ تعلیم ہی ایک ایسا نور ہے جو دل کی تاریکیوں کو روشنی بخشتا ہے اور تعلیم ہی ایک ایسا ہتھیار ہے جو دل کو ایک عالم تسخیر کرنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے اور تعلیم ہی وہ ناقابل شکست جذبہ ہے جو انسان کے دل کو شاہین کی سی بلند پروازی' چیتے کی پھرتی' شیر کی شجاعت اور قلت و کثرت سے بے نیاز ہو جانے والی تاریخ ساز ولولہ انگیزی بخشتا ہے۔ اس صورت میں ہم کس طرح اس غلط قرارداد کی حمایت کر سکتے ہیں کہ "تعلیم انسان کو بزدل بنا دیتی ہے۔"

جناب والا! اس قرار دار کی تائید کرنے والے ایک ناقابل تردید اور ابدی حقیقت کو جان بوجھ کر جھٹلا رہے ہیں۔ اگر کوئی عقل کا پورا عین دوپہر کو آنکھیں بند کر کے اعلان کرے کہ سورج کی روشنی جاتی رہی ہے تو اس سے سورج کی روشنی میں تو ذرہ بھر کی واقع نہ ہو گی۔ لیکن اعلان کرنے والے کی ذہنی بلوغت کا پول کھل جائے گا۔

تاریخ انسانی کے دفتر کھلے پڑے ہیں۔ زمانے کے حقائق اظہر من الشمس ہیں کہ تعلیم انسان کو بزدلی نہیں بلکہ غیر معمولی دلیری و شجاعت عطا کرتی ہے لیکن دوسری جانب کے کھوکھلے دلائل سن کر یہی کہنا پڑتا ہے کہ

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

صاحب صدر! تعلیم انبیاء کی میراث ہے۔ انسانی زندگی کا حسن اور وقار ہے۔ یہ تعلیم ہی ہے جو انسان کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرتی ہے۔ اور قوائے انسانی کو جلا بخشتی ہے۔ ہمارے رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھے۔ آپ نے سب سے زیادہ تعلیم کے حصول پر زور دیا ہے۔ یہ آپ ہی کے ارشادات کا نتیجہ تھا کہ مسلمان پوری دنیا پر چھا گئے اور ان کے گھوڑوں کی ٹاپ سے روما و ایران لرز اٹھے۔ اب یہ قائد ایوان اور ان کے حامیوں پر منحصر ہے کہ وہ سالار بدر و احد اور فاتح مکہ کے پیرو کاروں کو بزدل قرار دے لیں یا شجاعت و دلیری کا پیکر۔ اور پھر میرے خیال میں اس قرارداد کے حامی اس درسگاہ میں تعلیم کی عظمتوں سے ہمکنار ہونے کے لئے آتے ہیں بزدلی و کمزوری کا سبق سیکھنے نہیں آتے۔

باطل شعار دشمن ایماں بن گئے
کچھ نہ بنے تو قائد ایوان بن گئے

جناب صدر! تعلیم انسان کو حلم، بردباری اور عفو و درگزر کے جوہر سے مرصع کرتی ہے مگر بزدل نہیں بناتی۔ ایک تعلیم یافتہ بردبار فاتح اپنے مغلوب کو معاف کر دیتا ہے۔ تو یہ بزدلی نہیں بلکہ شجاعت کی معراج ہے، تاریخ اسلام کے زریں صفحات سے سیدنا علیؓ کی شخصیت جھانکتی ہے۔ وہ شیر خدا تھے۔ انْ کا نام طاقت و شہ زوری کی علامت تھا لیکن یہ دبستان رسالت کے پروردہ بھی تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو شہر علم سے تعبیر کرتے ہوئے سیدنا علیؓ کو "باب العلم" فرمایا تھا۔ یہی سیدنا علیؓ ایک بار گھمسان کی جنگ میں اپنے ایک دشمن کو مغلوب کر کے اس کے سینے پر سوار ہو جاتے ہیں، قتل کرنے لگتے ہیں تو وہ آپ پر تھوک دیتا ہے۔ سیدنا علیؓ اس کے سینے سے اتر آتے ہیں کہ میں تو رضائے الٰہی کے لئے لڑ رہا تھا۔ اگر اب تمہیں قتل کر دیا تو یہ شخصی انتقام ہوگا۔ موت کے منہ سے واپس آنے والا حیران ہو کر اسلام کے دامن میں پناہ لے لیتا ہے۔ یہ بزدلی نہ تھی بلکہ "باب العلم" ہونے کے ناطے سے شیر خدا نے بے مثال جرات و شجاعت کی مثال پیش کر دی۔ یہ "مدینتہ العلم"

جناب رسالتمابؐ ہی کا تو فیضان تھا۔

صدر محترم! شیخ سعدی کے الفاظ میں بے علم خدا کو بھی پہچان نہیں سکتا۔ جو انسان مقام کبریائی سے نا آشنا ہو اسے آپ شجاعت و دلیری کا کون سا سرٹیفکیٹ عطا کریں گے۔ تعلیم ایک ایسا جوہر ہے جس سے کند تلواروں میں بجلی کی چمک اور ارادوں میں چٹان کی سی مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ تعلیم انسان کو صراط مستقیم کی پہچان اور اس راہ حق پر ہمیشہ کے لئے گامزن رہنے کا حوصلہ بخشتی ہے۔ غلط راستے پر ڈٹ جانا دلیری نہیں بلکہ حماقت ہے اور صرف ایک تعلیم یافتہ انسان ہی جادہ مستقیم کا راہی بن سکتا ہے۔ اس کا یہی استقلال وقت کی سب سے بڑی شجاعت ہے۔

جناب والا! انسانی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو شجاعت و دلیری کی فہرست میں صرف انہی ناموران عالم کے نام نظر آئیں گے جو تعلیم کی سربلندیوں پر فائز تھے حضرت خالدؓ سیف اللہ حضرت علیؓ شیر خدا، صلاح الدین ایوبیؒ، عالمگیر، سلطان ٹیپوؒ، سراج الدولہؒ جیسے فرزندان عظیم جاہل نہ تھے بلکہ راہ حق میں ان کی بے مثال جرات و شجاعت صرف تعلیم کی مرہون منت تھی۔ یہ تعلیم ہی تھی جس نے امام احمدؒ بن حنبل کو کوڑے کھانے پر مجبور کر دیا۔ یہ تعلیم ہی تھی جس نے مجدد الف ثانیؒ کو پابند سلاسل کر دیا۔ تعلیم نے ہی سقراط کو زہر کا پیالہ پلایا۔ تعلیم نے ہی غازی علم الدین شہیدؒ کو عشق رسولؐ میں تختہ دار کے حوالے کر دیا۔ ایسی صدہا مثالیں ہیں۔ ان میں سے کون بزدل تھا۔ کسی کے بھی قدم راہ استقلال میں نہ ڈگمگائے۔ یہ تو وہ عظمت کے پتلے تھے جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھی مسکراتے رہے۔

جناب صدر! تاریخ پاکستان کا ایک ایک ورق تعلیم سے بہرہ ور اصحاب کی قربانیوں کا گواہ ہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی اسلامیہ کالج لاہور سے فارغ التحصیل ہونے والے لیاقت علی خاں نواب بہادر یار جنگ، ظفر علی خاں، محمد علی جوہر اور ان کے رفقاء قائداعظم کی قیادت میں پاکستان کی منزل کو قریب تر لے آئے۔ انگریز اور ہندو کی مشترکہ سازشیں بھی ان کے عزائم کے سیل بے پناہ کو نہ روک سکیں اور وقت کی بڑی سے بڑی آزمائش بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔

آج بھی یہ تعلیم ہی کا فیضان عام ہے کہ جب بھی دشمن رات کے اندھیروں میں وطن کی مقدس سرحدوں پر دستک دیتا ہے تو تعلیم کی رفعتوں سے آشنا کسی کیپٹن سرور شہید کسی میجر طفیل شہید اور کسی میجر عزیز بھٹی شہید کا مقدس اور غیور خون وطن پاک کی حرمت پر نچھاور ہو جاتا ہے۔

بلاشبہ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تعلیم انسان کو بزدلی نہیں بناتی بلکہ حوصلہ اور ولولہ عطا کرتی ہے۔

شوکت دیں' نور حق کی ترجمان تعلیم ہے
فاتح خیبر کی ہمت کا نشاں تعلیم ہے
غم کے ماروں کے سروں کا سائباں تعلیم ہے
نور قرآں میں سے ضوفشاں تعلیم ہے
بزدلی سے اس کو نفرت' عزم کا پیغام ہے
مصطفیٰ کے نور حکومت کی صلائے عام ہے

---O---

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

(مخالفت میں)

صدر ذی وقار! اس زمانے میں وہی کامیاب رہتے ہیں جو وقت کی ہواؤں کا رخ موڑنا اور سچائی کے علم کو سربلند رکھنا جانتے ہوں اس لحاظ سے مجھے آج کے اس باوقار ایوان میں پیش کی جانے والی قرارداد "چلو چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی" کی مخالفت میں دلائل پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔

جناب والا! یہ قرارداد انسانی اصولوں کے سراسر منافی اور صداقت و انصاف کے تقاضوں کے بالکل برعکس ہے یہ قرارداد ہمیں مصلحت شعاری بزدلی بے غیرتی اور پست ذہنیت کے بدترین تقاضے سکھاتی ہے اگر قائد ایوان کی طرف سے پیش کردہ اس قرارداد کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جو ذلت آمیز زندگی کا بدترین شہکار ہو گا۔

والا مرتبت! یہ دنیا ایک کارزار عمل ہے یہاں حق و باطل اور خیر و شر کا تصادم ازل سے جاری ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ حق کے علمبرداروں نے حرص و ہوا کے تقاضوں کو ٹھکراتے ہوئے ہمیشہ اپنی دنیا آپ پیدا کی ہے ان سرکفت حق شعاروں نے ہوا کی سمت چلنا نہیں بلکہ مخالف ہواؤں کا رخ اپنی مرضی کی مطابق تبدیل کرنے کا ایمان آفریں مظاہرہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ

عزائم جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

صدر عالی وقار! ہم صاحب ایمان ہیں اور ہماری تعلیمات کا منبع قرآن اور تقلید کا سرچشمہ ذات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے قرآن حکیم باطل قوتوں سے ٹکرانے کا یوں پیغام دے رہا ہے کہ

و جاھدو فی اللہ حق جہادہ

جب کہ سرکار دوعالم علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ ارشاد اہل ایمان کو جھوٹے خداؤں کے طلسم کو پارا پارا کرنے کا حوصلہ عطا کر رہا ہے کہ

سب سے بڑا جہاد جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے

اور زمانہ تعلیمات قرآنی اور فرمودات نبوی کی روشنی میں اس حقیقت کی گواہی دے رہا ہے کہ

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نماز حق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

صدر با تمکین! اگر زمانہ آغاز کائنات سے ہوا کے رخ پر ہی چلنے کا عادی ہوتا تو سیدنا موسیٰ کبھی بھی فرعون کی جھوٹی خدائی کو نہ للکارتے سیدنا خلیل اللہ نمرود کے باطل عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے کبھی بھی آتش نمرود میں کود پڑنے کا حوصلہ نہ کرتے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار مکہ سے دشمنی مول نہ لیتے بلکہ نعوذ باللہ قائد ایوان کے ناپاک عزائم کے مطابق سرداران قریش کے باطل مفادات پر سمجھوتے کی راہ تلاش کر رہے ہوتے اگر ہوا کے رخ پر چلنا ہی کامیابی کی نوید ہوتی تو نواسہ رسول سیدنا حسینؓ کبھی بھی دشت کربلا میں سچائی کی خاطر راہ حق میں اپنے اور اہل بیت کے مقدس لہو کا نذرانہ پیش نہ کرتے امام احمد بن حنبلؒ کبھی بھی برہنہ جسم برف میں بھیگے ہوئے کوڑوں کی ضربوں سے اپنا جسم چھلنی نہ کرواتے کس کس کا ذکر کیجئے یہاں تو حق کے علمبرداروں اور مصلحت کے بدترین تقاضوں کو پائے استحقار سے ٹھکرانے والوں کے تذکار سے دامان تہذیب زرنگار جن کے پیش نظر فقط یہی مقصد تھا کہ

سورج کا ہے کام چمکنا سورج اک دن چمکے گا
ظلمت کے چہرے پہ دیکھنا نور اجالا دمکے گا

جناب صدر! برصغیر پاک وہند میں جب سیدنا مجدد الف ثانیؒ نے جلال الدین اکبر کے غرور شاہی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے نام نہاد دین اکبری کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا تو ہوا کے رخ پر چلنے والے انہیں اس وقت بھی مصلحت شعاری کا پیغام دینے آئے مگر حضرت مجددؒ

نے یہ فیصلہ کر کے سنت خلیلی کو زندہ کر دیا کہ

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

ہوا کے رخ پر چلنا کمزوری بزدلی اور عقل کے آگے سرنگوں ہونے کا دوسرا نام ہے جب کہ حرص و ہوس مصلحت اور ترغیبات کے جال کو توڑ کر حق گوئی کے تقاضوں کو بجالانا عشق کا حقیقی روپ ہے اسی لئے علامہ اقبال نے یہ فیصلہ کر دیا کہ

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

صدر محترم! ہوا کے رخ پر چلنے والے ہر چڑھنے والے سورج کو سلام کرنے کے عادی ہوتے ہیں ان کا دل حرارت ایمانی سے محروم ہوتا ہے ان کا ضمیر وقت کے گنبد بے صدا میں تڑپ تڑپ کر مر چکا ہوتا ہے ان کی عقل فریب کاری کے جال بنتی اور ان کی چالاکی و ہوشیاری حق شناسوں کے راستے میں نئی سے نئی دیواریں چنتی ہے مگر حق و صداقت کے پرستار ہمیشہ اس عزم سے سرشار ہوتے ہیں کہ

ہم حق کے علمبرداروں کا اب بھی ہے نرالا ٹھاٹھ وہی
بادل کی گرج تکبیروں میں بجلی کی چمک تلواروں میں

عالی مقام! تحریک پاکستان بذات خود ہوا کے رخ کے مخالف چلنے، مصلحت کے تقاضوں کو ٹھکرانے اور آزادی سے محبت کے جرم میں دار و رسن کی آزمائش سے گزرنے کا دوسرا نام ہے اگر تحریک پاکستان کے متوالے حرکت میں نہ آتے اور ہم اکھنڈ بھارت میں اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خون کے دریا میں پشیمانی کے آنسوؤں کی روانی شامل کر رہے ہوتے۔

جناب والا! کائنات کی تمام تر زینت و آرائش سچائی اور صداقت سے ہے سچائی زندگی کو حقیقی سربلندی بخشتی اور ہوا کے رخ پر چلنے والوں کو انصاف کی راہ پر گامزن ہونے کا سلیقہ عطا کرتی ہے ہم ایک آزاد اور غیور قوم ہیں چڑھتے سورج کو سلام کرنے کا دور انگریز سامراج کے

ساتھ ہی رخصت ہو گیا آخر ہم کب تک حرص و ہوس لالچ جاہ پرستی اور باطل خداؤں کے سامنے سر جھکانے کی لعنت کو سینے سے لگائے رکھیں گے۔

دل کی آزادی شہنشاہی' شکم سامان موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

آزادی کا سبز سویرا پھوٹ چکا ہے ایمان کی چاندنی چٹک رہی ہے اسلام قرآن مجید اور سنت رسولؐ سے ابھرنے والی ایمان آفریں روشنی ہمارے باطن کو ضوبار کر کے ہمارے اجتماعی ضمیر کو یہ کہہ کر جھنجوڑ رہی ہے کہ

ہونے لگی ہے زندگی پھر مصلحت شناس
تو عظمت حیات کا سورج اچھال دے

جناب والا! ان حقائق کی روشنی میں مجھے اس قرارداد کی مخالفت کرنے اور یہ کہنے کی اجازت عطا کی جائے کہ زندگی کا حقیقی حسن ہواؤں کے رخ پر چلنے میں نہیں بلکہ باطل قوتوں کو اپنی مرضی کے تابع کرنے میں مضمر ہے۔

ترا تن روح سے ناآشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارسا ہے
تن بے روح سے بیزار ہے حق
خدائے زندہ' زندوں کا خدا ہے

---O---

تاریخ نے ہمیشہ تلوار کے فیصلے قبول کئے ہیں

(مخالفت)

صدر گرامی قدر! مجھے اس قرارداد کی مخالفت میں تقریر کرنا ہے۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ دنیا میں اپنی بات منوانے کے لئے دو ہی طریقے ہیں۔ کوئی تو اپنی بات منوانے کے لئے سختی سے کام لیتا ہے اور کوئی نرمی سے۔ کسی کو اپنی قہر سامانیوں پر بھروسہ ہوتا ہے۔ اور وہ تند خوئی کا مظاہرہ کر کے فریق ثانی کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ اس کے سامنے سر عجز و نیاز خم کر دے۔ اس کے مقابلے میں کسی کو اپنی ذات پر بھرپور اعتماد ہوتا ہے۔ اور وہ نرمی و حلم سے کام لے کر اپنا موقف اس طرح قابل قبول بنا لیتا ہے کہ دنیا کو مانتے ہی بنتی ہے۔ ظلم و تشدد اور تلوار کی کاٹ پر ایمان رکھنے والوں کے ذہنی پس منظر میں چنگیز و ہلاکو کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں جب کہ خلق و محبت سے اپنا موقف منوانے والوں کی آفاقی سوچ کے دھارے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام محبت سے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں۔

صدر محترم! ذرا آگے بڑھیئے تو تاریخ کے صفحات گواہی دیتے نظر آئیں گے کہ تاریخ نے تلوار کے فیصلے کبھی قبول نہیں کئے۔ اگر تاریخ نے تلوار کے سامنے سر جھکانا ہوتا تو اس وقت جھکا دیا ہوتا۔ جب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کے نرغہ میں تھے اور قریش کے تیغ آزما آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس خون سے ہاتھ رنگنے کو بے قرار تھے۔ لیکن نہیں۔ تاریخ کیا سر جھکاتی' تاریخ تو ان تلوار آزماؤں پر مسکرا رہی تھی۔ اور پھر کائنات نے دیکھا کہ یہی جنگجو جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے۔ آپؐ کے حلقہ بگوش بن گئے اور آپؐ کے پسینے کی جگہ خون بہانے کی تمنا کرنے لگے۔

دلوں کے درد کا کچھ اس طرح درمان کر ڈالیں
ملیں جو لاکھ جانیں آپ پر قربان کر ڈالیں

جناب صدر! جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو پیکر خلق تھے۔ سراپا رحمت اللعالمین تھے۔ آپؐ کی ذات اس کرہ ارض پر بسنے والے انسانوں کے لئے اخلاق و کردار کا سب سے اعلیٰ اور جامع نمونہ تھی آپ کا پیغام آپ کی زندگی میں ہی جزیرہ نمائے عرب کی حدود سے نکل دنیا کی وسعتوں میں پھیل چکا تھا۔ آپؐ کا کوئی بھی فیصلہ تلوار کے زور پر نہیں تھا۔ آپ نے فتح مکہ کے روز بھی جب کہ دنیائے کفر کا سرنخوت ہمیشہ کے لئے جھک چکا تھا تمام دشمنوں کو **لا تثریب علیکم الیوم** کا مژدہ سنا دیا تھا۔ فتح مکہ کے روز آپ کا تاریخی اعلان' وقت کا سب سے بڑا فیصلہ تھا۔ اس فیصلہ میں تلوار کی کاٹ نہیں تھی بلکہ اخلاق و کرم اور محبت و شفقت کے جوہر کار فرما تھے۔ اور دنیا بھر کے غیر مسلم مورخ بھی اسی سچائی کو جھٹلا نہیں سکتے کہ آپؐ نے فتح مکہ کے روز انسانی اقدار کی سربلندی کے لئے تاریخی خطبہ کی صورت میں جو فیصلہ سنایا اس نے حالات کا رخ بدل کر رکھ دیا اور وقت کو اس طرح سے نئی کروٹ بخشی کہ اسلامی فتوحات کا سیل بے کراں خلق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آفاقی پرچم کی چھاؤں میں چاروں جانب پھیل گیا۔

کچھ ان کے خلق نے کر لی کچھ ان کے پیار نے کر لی
مسخر اس طرح دنیا شہ ابرار نے کر لی

اور جناب صدر! تاریخ نے اس وقت ہی تلوار کا فیصلہ قبول کر لیا ہوتا جب میدان کرب وبلا میں سیدنا امام حسینؓ کے ہاتھوں میں معصوم سے علی اصغر کا لاشہ تڑپ رہا تھا۔ جب آواز حق بلند کرنے والوں پر سرزمین حجاز تنگ کر دی گئی تھی۔ جب تلوار کی دھار پر رقص کرنے والی بدترین آمریت اسلامی حکومت کے روپ میں عالم اسلام پر مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اگر تاریخ اس وقت تلوار کے فیصلے کو تسلیم کر لیتی تو پھر حق و صداقت کا نشان ہمیشہ کے لئے مٹ جاتا۔ حق گوئی کو ہمیشہ کے لئے زوال آ جاتا۔ لیکن جناب حسینؓ مر کر بھی زندہ جاوید ہو گئے۔ اور تلوار کے زور سے تاریخ پر زبردستی کا فیصلہ مسلط کرنے والوں کے نام و نشان تک مٹ گئے۔

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

اس حیرت انگیز انقلاب کی وجہ یہی تھی کہ تاریخ نے تلوار کے فیصلے کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا تھا۔

صدر گرامی! تاریخ سے تلوار کا فیصلہ منوانے والے اپنے موقف کی حمایت میں لاکھ شمشیر کی کاٹ کا مظاہرہ کریں یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ تلوار کے زور پر فیصلہ منوانے والے خود اعتمادی سے محروم ہوتے ہیں۔ جو کام محبت اور نرمی سے انجام پا جائے اس کے لئے تلوار کون اٹھاتا ہے۔ آپ تلوار اور تشدد کے بل پر کسی مرد حریت کو بیڑیاں پہنا سکتے ہیں۔ آزادی کا نعرہ لگانے والی پوری قوم کو پابند سلاسل کر سکتے ہیں۔ حق و صداقت کے نام لیواؤں کو تختہ دار پر کھینچ سکتے ہیں۔ لیکن یہ فتح عارضی ہو گی۔ جونہی موقع ملے گا۔ کسی خاکستر سے وہ چنگاری اٹھے گی۔ جو عالمگیر تحریک بن کر دم لے گی کیونکہ

وہ چنگاری خس و خاشاک باطل سے کیوں دب جائے
جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا

تاریخ کے لہو رنگ دامن پر مختلف تحاریک آزادی کی قربانیوں اور سرفروشوں کی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ نیل کے ساحل سے لے کر وادی کاشغر تک طرابلس' الجزائر اور مراکش کے شہداء کا خون وادی سینا اور جلیانوالہ باغ کے ان گنت بے گور و کفن لاشے تلوار کے فیصلوں اور استبدادی قوتوں کو ٹھکرانے کا بین ثبوت ہیں۔

جناب والا! پوری تاریخ کھنگال ڈالئے کہیں بھی تلوار کے فیصلوں کی پائیداری نظر نہیں آئے گی۔ جب بھی حق و باطل میں آویزش کا کوئی کٹھن وقت آیا تلوار نے اپنا فیصلہ ٹھونسنے کی کوشش کی مگر فرزندان تاریخ حریت کی قربانیوں نے تلوار کی کاٹ کو بے اثر بنا کر رکھ دیا۔ عباسی خلفاء کے درباروں میں امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے آوازہ حق کی تاثیر سے کون آگاہ نہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب تلوار کی کاٹ' سیم زر کے لالچ اور اقتدار کی محبت نے بڑے بڑے علماء کے ضمیر خرید لئے تھے۔ لیکن انجام کار تاریخ نے وہی فیصلے قبول کئے جو ان

جلیل القدر شخصیات نے اپنی قربانیوں سے تحریر کئے تھے۔

جناب صدر! تاریخ کو وہ وقت بھی یاد ہے۔ جب اکبر اعظم نے دین الٰہی کا فتنہ اٹھا کر اسلام کو برصغیر ہند سے بے دخل کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا۔ یوں نظر آ رہا تھا کہ تلوار اور اقتدار کے سائے میں "دین الٰہی" اسلامیان ہند کا مقدر بن جائے گا مگر شیخ سرہندی مجدد الف ثانی تاریخ کی آواز بن کر اٹھے۔ وہ شیخ مجدد کہ

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
ہے جس کے نفس گرم سے گرمی احرار

شیخ مجدد حق و صداقت کی پاداش میں زنداں کی چار دیواری میں کیا گئے کہ دین الٰہی کو جڑ سے کاٹ کر پھینک دیا۔

جناب صدر! ان حقائق کی روشنی میں میں اجازت چاہتا ہوں کہ اس قرارداد کی مخالفت کر سکوں کہ تاریخ نے کبھی بھی تلوار کے فیصلے تسلیم نہیں کئے بلکہ وہی فیصلے قبول کئے ہیں جو انسانی ہمدردی اور اسلامی رواداری سے عبارت تھے۔ کیونکہ

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

---O---

بوڑھے ملکی معیشت پر بہت بڑا بوجھ ہیں

(مخالفت میں تقریر)

صدر گرامی قدر! آپ کی اجازت سے میں اس قرارداد کی مخالفت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں میں نے دونوں طرف کے مقررین کے دلائل سنے ان میں سے جو مقررین اس قرارداد کی حمائت میں بول رہے تھے ان کا انداز تقریر کچھ یوں لگا جیسے وہ اپنے ماضی سے بغاوت کر رہے ہوں اور قدیم روایات سے اپنا سلسلہ منقطع کرنے پر تلے ہوئے ہوں روایات کیسی بھی ہوں ان کا تقدس اپنی جگہ ہے اور ماضی کیسا بھی ہو اس کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔

جناب والا! اس موضوع پر اظہار خیال کرنے کی دعوت اگر یورپ کے ہر برف باری سے منجمد علاقے میں دی جاتی یا برصغیر ہندوپاک کے ان علاقوں میں اس قرارداد پر اظہار خیال کیا جاتا جہاں زندگی جمود کا شکار ہے اور اگر کہیں حرکت کا وجود ہے بھی تو نہ ہونے کے برابر تو شائد قرارداد پیش کرنے والوں کا نقطہ نظر سمجھ میں آجاتا..... لیکن یہ قرارداد پاکستان کے اس علاقے میں پیش کی جارہی ہے کہ جہاں زندگی اس جہد مسلسل سے آگے بڑھتی ہے کہ دماغ اس کے احاطہ اور زبان اس کے بیان سے قاصر ہے یہاں کے ایک کسان گھرانے میں جنم لینے والا بچہ ہوش سنبھالتے ہی ہاتھ میں کسی اٹھا کر باپ کا ہاتھ بٹاتا ہے اس کی جوانی محنت و مشقت کا شاہکار ہوتی ہے اور جب بڑھاپے کا عفریت اپنے مہیب پر پھیلاتا ہے تو بھی اس کے دم خم میں چند فطری لرزشوں کے کوئی لغزش نہیں آتی وہ اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ہل کا دستہ تھام کر زمین کے سینے کو چیرتا ہے اور گندم اور دھان کے سنہرے خوشے اگاتا ہے اس کے یہی کپکپاتے ہاتھ ایک خاندان کے مستقبل کی تعمیر کا باعث بنتے ہیں وہ اس وقت تک عزم و عمل اور سعی پیہم کے دیئے جلاتا ہے جب تک کہ موت کا طلسم اس کے لرزتے ہاتھوں سے زبردستی ہل کا دستہ چھین نہیں لیتا۔

لیکن جناب صدر! اس کی اس محنت شاقہ اور جہاد زندگی کا صلہ اسے یہی ملنا چاہئے کہ آج کی یہ ہونہار نسل اسے ملکی معیشت پر بہت بڑا بوجھ قرار دے ڈالے حالانکہ بعض صورتوں میں

اس نے پورے خاندان کی معیشت کا بوجھ اٹھا رکھا ہوتا ہے۔

بڑھاپا آدمی کا باعث توقیر ہوتا ہے
عمل کی سربلندی، عزم کی تصویر ہوتا ہے

جناب والا! ہمت پیہم کی یہ ایک عام تصویر ہے اس تصویر کی نقاب کشائی کے لئے آپ کو دور دراز کے دیہات کا سفر کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرنا پڑے گی صرف دل و دماغ سے تعصب کا پردہ اٹھانا ہوگا گلیوں کوچوں میں بڑھاپے کے خلاف جہاد کرنے والے قلی، غریبی مفلسی اور بڑھاپے کی پیہم یلغار کے باوجود اپنی عزت کا پرچم بلند رکھنے والے چھکڑا بان، ہنگام پیری، جوانی کا دم خم رکھنے والے مزدور.... یہ سب پاکستان کی تعمیر و ترقی میں اپنی اپنی جگہ اہم کردار ادا کر رہے ہیں ان کے سینے چھلنی ان کے دل زخمی ان کے جذبات مجروح سہی لیکن ان میں سے ہر فرد اپنی جگہ انجمن ہے یہ سب اپنے خاندانوں کی معیشت کا اہم ترین ستون ہیں اور بھرے گھروں کو عزت کی روٹی کھلا رہے ہیں لہٰذا کا وجود اس شمع کی مثل ہے جو خود جل کر گردو پیش کو منور کرتی ہے۔

جناب والا! ان بوڑھوں نے غربت و افلاس بیماری و کمزوری اور ظلم و تشدد سے کبھی شکست نہیں کھائی لیکن اس احسان فراموش دور کی عدالت کا متلون مزاج منصف نہ صرف ان کی خدمات کے اعتراف میں بخل سے کام لے رہا ہے بلکہ انہیں ملکی معیشت کے لئے بہت بڑا بوجھ قرار دینے کا فتویٰ بھی صادر کر رہا ہے شاید بڑھاپے کا دم خم اپنے ہاتھوں کھلائی ہوئی نسل سے یہی طعنہ سننے کا منتظر تھا۔

جناب صدر! شائد قرارداد کے مرتبین اور موئیدین کی نگاہوں نے چند کوتاہ ہمت بوڑھوں اور دست سوال دراز کرنے والے بوڑھے بھکاریوں کو ہی دیکھا ہے لیکن وہ شاید بھول گئے ہیں یا انہوں نے دانستہ اغماض کیا ہے کہ ان کوتاہ ہمتوں نکموں اور بھکاریوں میں ایک بڑی تعداد جوانوں اور بچوں کی بھی ہے اگر قرارداد کے حق میں دلائل کے انبار لگانے والے چند بوڑھے بھکاریوں کی فوج ظفر فوج کو دیکھ کر انہیں معیشت پر بوجھ قرار دے رہے ہیں تو ان کا فتویٰ ملک بھر کے بلکہ دنیا بھر کے بچوں اور نوجوانوں کو ملکی معیشت کے لئے بوجھ قرار کیوں نہیں

دیتا لیکن امید ہی نہیں بلکہ یقین واثق ہے کہ وہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اس طرح سے کوئی بھی ایسی نسل باقی نہیں بچے گی۔ جوان کے اشہب فکر کی جولاں طبعی کی داد دے سکے۔

صدر محترم! بڑھاپا تجربہ کاری اور پختگی فکر کی واضح ترین علامت ہے یہ وہ مقام ہے جہاں جوش کے بجائے ہوش کی جلوہ کاری ہوتی ہے جہاں جذبات کا جوار بھاٹا آتش فشاں کی طرح نہیں پھٹتا بلکہ ایک نازک خرام ندی کی طرح آہستہ آہستہ مگر لگا تار بہتا ہے یہ عمر تجربات کا حاصل ہوتی ہے یہ بوڑھی آنکھیں ماضی و حال سے تجربات اخذ کر کے مستقبل کے دبیز پردوں میں جھانک سکتی ہیں ان کے نسبت جوانی نا تجربہ کاری کا دوسرا نام ہے پنجابی کی ایک مشہور ضرب المثل ہے۔

منڈے رول تے رناں
تتے اجاڑا دا بناں

جناب والا! جوان العمری ایک بہت بڑی طاقت ہے اس دور میں انسان پہاڑوں سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتا ہے لیکن اس طاقت کے صحیح استعمال کے لئے قدم قدم پر راہبری اور راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے جذبات کے سیل بے کراں کو ملک و ملت کے لئے مفید بنانے کے لئے اعتدال کو خضر راہ بنانا پڑتا ہے اعتدال تجربہ کاری سے عبادت ہے اور تجربہ کاری کا کمال بڑھاپے میں ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں جوانوں سے صحیح کام لینے کے لئے بوڑھوں کی تجربہ کاری سے استفادہ کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ شیکسپئر کے بقول بڑھاپا جوانی کو انگلی سے پکڑ کر آگے بڑھاتا ہے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں کو رحمت خداوندی قرار دیا ہے نہ کہ آج کل کے نام نہاد دانشوروں کی طرح ملکی معیشت کے لئے بوجھ۔

جناب صدر! تاریخ مشاہیر کا بغائر مطالعہ کریں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تمام عظیم انسانوں کی عظمت ان کے بڑھاپے کی تجربہ کاری اور فہم و بصیرت کی مرہون منت ہے اگر ان کی علمی و ادبی اور سیاسی زندگی سے بڑھاپے کے کارنامے نکال دیئے جائیں تو وہ کسی صورت بھی اس بلند مقام پر فائز نہیں رہ سکیں گے علامہ اقبال کی پیغمبرانہ شاعری قائداعظم کی ولولہ انگیز راہنمائی ظفر علی خان اور محمد علی جوہر کی دور اندیشی غالب کی نکتہ آفرینی غرضیکہ بڑھاپے

کا کردار ہر جگہ جوانی کے کردار کی نسبت افضل و اعلیٰ نظر آئے گا۔

جناب والا! ان حقائق کی روشنی میں اس قرارداد کی پرزور مخالفت کرتا ہوں اور یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ بوڑھے ملکی معیشت پر بہت بڑا بوجھ نہیں بلکہ ان کا وجود ملک و ملت کی ترقی و راہنمائی کے لئے اشد ضروری ہے۔

---O---

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا
وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

غلامی سے بدتر ہے بے یقینی

صدر گرامی قدر و معزز حاضرین!

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ غلامی زندگی کا سلیقہ چھین لیتی ہے غلاموں کے لئے خودی و خودداری کے تمام آداب بھولی بسری داستان بن کر رہ جاتے ہیں۔ غلامی صرف ذوق حسن و زیبائی سے محرومی کا نام ہی نہیں ہے بلکہ غلاموں کی فہم و بصیرت کسی طور بھی قابل اعتماد قرار نہیں پاتی۔

لیکن جناب والا! غلامی سے بھی کہیں زیادہ بدترین لعنت "بے یقینی" ہے۔ غلامی اگر باوقار زندگی کا سلیقہ چھینتی ہے تو بے یقینی انسان کی زندگی کو موت سے بھی بدتر بنا دیتی ہے بے یقینی کی زد میں آیا ہوا انسان ایک خشک پتے کی طرح حالات کی ٹھوکروں پر ڈولتا رہتا ہے۔ یعنی ماضی سے بے گانہ حال کی ستم کاری کا شکار اور مستقبل سے خودکشی کی حد تک مایوس۔

جناب والا! شاعر مشرق علامہ اقبال نے ایک طویل تاریخی و سیاسی مطالعہ کے بعد ایسے دور میں بے یقینی کو غلامی سے بدتر لعنت قرار دیا تھا جب ہند کے مسلمان غلامی پر رضا مند نظر آتے تھے۔ بلاشبہ اقبال نباض فطرت تھے' رمز آموز ایمان و یقین تھے "نیست پیغمبرو لیکن در بغل دارد و کتاب" کے مصداق تھے ترجمان اسرار خودی و بے خودی تھے۔ شاعر مشرق ہی نہیں بلکہ حکیم الامت بھی تھے۔ وہ اس گئے گزرے دور میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے تصور کو حقیقت کا روپ دینا چاہتے تھے۔ شاعر بے مثل ہی نہیں ایسے مرد مومن بھی تھے کہ جن کی قلندرانہ اداؤں میں سکندرانہ جلال پوشیدہ تھا۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے

صدر محترم! اسی اقبال کی نگاہ مستقبل میں دیکھ رہی تھی کہ غلامی سے کہیں زیادہ خطرناک بے یقینی ہے جو انسانی رگوں سے غیرت و حمیت کا احساس تک مٹا دیتی ہے۔ اس دور میں کاروان اسلام کے اس حدی خواں کو متاع کارواں لٹ جانے سے کہیں زیادہ قوم کے دلوں سے

احساس زیاں کے رخصت ہو جانے کا غم کھا رہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمان اپنے اسلاف کے کارناموں کو متاع گم گشتہ خیال کرتے ہوئے طوق غلامی کو ہمیشہ کے لئے اپنا نوشتہ تقدیر قرار دے چکے تھے یہی وہ وقت تھا جب بے یقینی کے ستائے ہوئے ہمارے دانشور اسلام کے فلسفہ جہاد کی تشریح و تعبیر کرتے ہوئے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کر رہے تھے۔

صدر والا قدر! ایسے حالات میں اقبال ہی وہ مرد مومن تھے جنہوں نے اس حقیقت کا ادراک کیا کہ بے یقینی کا وار غلامی سے کہیں زیادہ مہلک اور کاری ہے۔ انہوں نے اپنی مومنانہ فراست سے ہی یہ اندازہ کر لیا کہ غلامی کی زنجیریں کاٹنے سے پہلے ہمیں بے یقینی کو اپنے ذہن و فکر سے جھٹکنا ہو گا۔ اسی خاطر اقبال نے یقین محکم کو ایمان کامل کا مصداق قرار دیتے ہوئے ملت اسلامیہ کے سامنے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الا میں پیدا

صدر ذی وقار! اگر کسی غلام قوم کے افراد یقین کامل کی دولت سے مالا مال ہوں تو اس قوم کی جدوجہد آزادی کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی غلام قوم ایمان و یقین کی حرارت سے محروم ہو جائے تو پھر اس بد قسمت قوم کی مائیں آنے والی نسلوں کے لئے دودھ کی تاثیر کے طور پر غلامی کا ورثہ چھوڑ جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ اپنی غلامی و پستی کو تقدیر الٰہی اور استبدادی حکمرانوں کو ظل خداوندی سمجھنے والی قوم کا ہی ایک غیرت مند دانائے راز اقبال یہ کہہ کر صدیوں کے غلاموں کو جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے کہ

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

جناب والا! تاریخ اسلامی پر نگاہ دوڑائیے جزیرہ نمائے عرب پر بسنے والے وحشی اور تہذیب و تمدن کے ابتدائی رموز سے بھی بے بہرہ عرب جب ایمان کامل اور یقین کی عظمتوں سے

روشناس ہوئے تو نہ صرف انہوں نے آزادی و مساوات کا درس دیا بلکہ ان کی فاتحانہ یلغار زمانے بھر کی غلام اقوام کے لئے باوقار زندگی اور انمٹ آزادی کی نوید بن گئی۔ توحید کے علمبرداروں اور شمع رسالت کے پروانوں نے بدر سے لے کر قادسیہ تک قیصرو کسریٰ کے تخت کو خاک میں ملا کر محکوم اور غلام اقوام میں یہ احساس تازہ خون کی صورت موجزن کر دیا کہ

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

صدر ذی وقار! حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے بخشے ہوئے تاریخ ساز الفاظ "اتحاد تنظیم اور یقین محکم" ملت پاکستانیہ کے لئے متاع عزیز سے کم نہیں۔ قائداعظم کے درس ایمان و یقین نے مسلمانوں کے دلوں کو وہ حرارت بخشی کہ انہوں نے اپنے دور کے سب سے بڑے استبدادی عفریت کے جبڑوں سے زبردستی اپنا حق آزادی چھین لیا۔

صدر والا قدر! آج کا مسلمان ایک بار پھر توہمات باطل، خیالات فاسدہ اور مایوسی و بے یقینی کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ اری ٹیریا، قبرص، کشمیر، فلسطین اور افغانستان کے مسلمان اسلامی غیرت کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارے کھوکھلے سینے ایمان کی حرارت سے اور ہمارے دل ایمان و یقین کے ادراک سے محروم ہو چکے ہیں۔

جناب والا! ایسے حالات میں جس قدر جلد ممکن ہو ہمیں اس حقیقت کا ادراک کر لینا چاہئے کہ ہمارے تمام سیاسی، معاشی اور تہذیبی مسائل کا حل ایمان کامل اور یقین محکم میں پوشیدہ ہے۔ اس حقیقت کے اعتراف سے ہی ہمارا قومی اور ملی وقار عبارت ہے کہ

یقیں افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے
یہی صورت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

---O---

زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے

صدر گرامی قدر! انسانی زندگی سعی و کوشش سے ہی عبارت ہے۔ جب باغ بہشت سے پہلے انسان نے کرہ ارض پر قدم رکھا تھا تو اسے زمین کی لامحدود وسعتیں' سمندروں کی بے کراں عظمتیں اور پہاڑوں کی سربلندیاں دیکھنے کو ملی تھیں۔ یہی اس کی مملکت اور یہی اس کی کارگاہ عمل تھی۔ اور پھر تاریخ انسانی نے یہ حیرت انگیز منظر بھی دیکھا کہ پہاڑوں کی سربلندیاں سر کی جا رہی ہیں' سمندروں کا سینہ چیرا جا رہا ہے اور زمین پر تاج محل اور اہرام مصر کی صورت میں نقوش لازوال ثبت کئے جا رہے ہیں۔ انسان کی سعی و کوشش کا یہ عمل اس شعر کا عملی ثبوت اور زندہ و تابندہ گواہ ہے۔

راز حیات پوچھ لے خضر خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے

والا قدر! کہنے کو تو شاعر نے اس تمام جدوجہد عظیم کو "کوشش ناتمام" کا نام دیا ہے۔ مگر اس سے مراد جہد و عمل کی وہ داستان عظیم ہے جو ازل سے لے کر ابد تک محیط ہے۔ "کوشش ناتمام" کہا ہے۔ تو محض اس لئے کہ کوشش کبھی تمام نہیں ہوتی۔ کوشش اگر تمام ہو جائے تو جدوجہد انسانی کی معجز نمائیاں رک جائیں۔ لہٰذا کوشش ناتمام دراصل نام ہے اس قوت بے کراں کا جسے بروئے کار لاتے ہوئے یہ بندہ خاکی اوصاف ملکوتی پیدا کر لیتا ہے۔ صحراؤں اور دریاؤں کا سینہ ہی چاک نہیں کرتا بلکہ خلا کی تسخیر کے عمل سے گزرتے ہوئے چاند' سورج اور ستاروں پر کمندیں ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ لیکن تمام تر جہد عمل کی رفعتوں سے ہمکنار ہوتے ہوئے بھی اسے قدم قدم پر یہ احساس دامن گیر رہتا ہے کہ

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے
بے معرکہ ہاتھ آئے جہان تخت جم' کے
ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

جناب والا! تلخی حیات کو جھیلنے والا اپنے خون جگر سے اپنی جدوجہد بے کرانہ اور تگ و تازہ جاودانہ کی داستانیں رقم کرتا ہے۔ وہ اگر سعی پیہم کئے جاتا ہے اور کارزار حیات کی تمام دشواریوں کو ٹھوکروں سے اڑاتا جاتا ہے تو اس احساس کے سات کہ یہ سب کچھ کر سکنے کے باوجود بھی نہیں کر سکا۔ فلک بوس عمارات کی تعمیر سے لے کر کائنات کی تمام ایٹمی توانائیوں کی تسخیر تک وہ یہی تصور دامن گیر رکھتا ہے کہ اس کی تمام کوششیں نامکمل اور تمام تر سعی عمل ناتمام ہے۔ کاروان جہد و ہمت کا ہر فرد اس حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ

یہاں کوتاہی ذوق عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

صدر ذی وقار۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک صفحہ ہستی پر ہر لحظ دہر آن رونما ہونے والے انقلابات پل پل وجود میں آنے والے تغیرات عالم ایک ہی ساعت میں تعمیر اور تخریب کی جلوہ کاریاں زمانے کی بنتی بگڑتی اور پھر سنورتی ہوئی شکلیں 'عروج و زوال کی کشمکش' اقوام و ملل کی عروج و ترقی کے حصول کے لئے سعی مسلسل یہ سب اسباب و وجوہات اس امر کے شاہد ہیں کہ قدرت خود کرہ ارض پر بسنے والے انسانوں کو کوششیں ناتمام میں مصروف دیکھنا چاہتی ہے اسی لئے تو تخلیق و تعمیر کائنات کا سلسلہ ابھی تک دراز ہے اور اسی حقیقت کی طرف ہی معنی فطرت علامہ اقبال نے اشارہ کیا ہے کہ

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

والا مرتبت! کائنات کی تمام تر ترقی و عروج اور زمین کی تسخیر سے لے کر خلا کی تسخیر تک سب کا راز کوشش ناتمام میں ہی پوشیدہ ہے۔ یہ انسان کی عظمت کردار ہے کہ وہ جان توڑ کوشش کر کے منزل مقصود کو حاصل کر لینے کے بعد ہی اپنی کوششوں کو ناتمام اور اپنی کامیابی کو کسی اور منزل کی طرف اپنا پہلا قدم قرار دیتا ہے۔ اگر وہ اپنے سودائے خام کو ہی کوشش تمام اور اپنی سعی رائیگاں کو اصل حیات سمجھ لے تو پھر وہ خطرناک حد تک خود اعتمادی کا شکار ہو جائے گا اور اس کی یہی خود اعتمادی نہ صرف اسے نااہل اور ناکارہ بنا دے گی بلکہ ایک دن اس کی

ہلاکت و بربادی کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو گی۔

صدر محترم! انسان کی تمام تر سعی و کوشش اور جدوجہد کا نتیجہ صرف اور صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس خدائے بزرگ و برتر کے ہاتھ میں کہ جس نے **لیس للانسان الا ما سعی** فرما کر انسان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سعی و کوشش کے لئے سرگرم کر دیا۔ جہاں نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہو انسان کوشش تو کر سکتا ہے مگر مطلوبہ نتائج کے حصول پر قادر نہ ہو۔ جہاں سرگرمی و جانفشانی سے محنت تو کر سکتا ہو مگر اپنی محنت کے ثمرات اپنی مرضی سے اپنے دامن مراد میں سمیٹ لینے کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہاں وہ اپنی ناتمام کوشش کو کیسے کوشش تمام قرار دے سکتا ہے۔ انسان تو یہ سوچ کر ہی تمام زندگی جادہ مستقیم پر گامزن رہتے ہوئے گزار دیتا ہے کہ

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
افلاک منور ہوں ترے نور سحر سے

ذی وقار! انسانی زندگی فوز و فلاح اور اصل و بقا صرف سعی و محنت اور عمل پیہم سے عبارت ہے عمل پیہم اور سعی مسلسل کا پتہ تو اس وقت ہی چلتا ہے کہ جب انسان شدید اور بھرپور کوشش کے باوجود ناکام ہو چکا ہو مگر ہمت نہ ہارے اور دوبارہ ہی نہیں بلکہ بار بار ایک نئے عزم سے سرشار ہو کر جدو عمل کی رفعتیں دکھانے پر تیار ہو جائے ایسے ہی اہل ہمت کے نام شاعر نے اپنے پیغام میں کہا تھا۔

حوادث سے کیوں تو نے دامن کشی کی
حوادث سے ہے پرورش زندگی کی
مہمات ہستی میں ہے جیت اسی کی
جو دم توڑ دے اور ہمت نہ ہارے

صدر والا قدر! اور تو اور خدا پر توکل کے تقاضے بھی اس وقت تک پورے نہیں ہو سکتے جب تک انسان زندگی کے آخری سانس تک جدوجہد نہ کر رہا ہو۔ مزا تو جب ہے کہ انسان گرے تو پھر بھرپور قوت کے ساتھ اٹھے اور ہر بار گر کر سنبھلتا رہے۔ حتیٰ کہ حواس ساتھ چھوڑنے لگیں تو بھی وہ خدا پر توکل کا دامن تھامے ہوئے زندگی کی سرحدوں پر دستک دیتا رہے۔ سعی

پیہم اور جہد و عمل مسلسل کی ترجمانی شاعر نے کیا خوب کی ہے۔

ساحل افتادہ گفت گرچہ بسے زیستم
ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم
موج زخود رفتہ ای تیز خرامید و گفت
ہستم اگر مے روم گر نروم نیستم

ذی وقار! اہل ہمت کو احساس ہوتا ہے کہ کارزار زندگی میں انہیں ہر بار ایک نئے جذبہ عمل سے سرشار ہو کر آگے بڑھنا ہے اس لئے وہ حوادث کے تھپیڑوں کو اپنے سینوں پر روکتے اور مشکلات و مصائب کے پہاڑوں کو اپنی سعی مسلسل کی بدولت گرد راہ کی صورت فضاؤں میں اڑا دیتے ہیں۔ وہ ناکامیوں سے مایوس نہیں ہو سکتے بلکہ انہیں ناکامیوں نے ہی کوشش ناتمام کا احساس ہوتا ہے اور وہ مجاہدانہ انداز سے رزم گاہ خیر و شر میں اپنا کردار اس احساس سے سرشار ہو کر ادا کرتے ہیں کہ

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

☆☆☆

اُسوۂ حضورؐ۔ عظمتِ انسان کا معیار

صدر والا قدر اور حاضرین ذی وقار

آج مجھے ارباب علم وفکر کے سامنے جس مہکبار موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے۔ وہ ہے

اُسوۂ حضورؐ۔ عظمتِ انسان کا معیار

جناب والا!

زمانے میں کتنے ہی انقلاب آئے اور وقت کے صحراؤں میں گُم ہو گئے۔ کتنے ہی مصلحین صفحۂ ہستی پر ابھرے اور تاریخ کے نہاں خانوں میں کھو گئے کتنے ہی منشور اور نظام انسانیت کی سرفرازی کے دعویدار بن کر طلوع ہوئے مگر سرابوں کے گرد باد میں ان کے غروب ہونے کا منظر نہایت ہی عبرت ناک تھا۔ یہ شرف فقط آقائے عالی مرتبت حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے لازوال اُسوہ و کردار ہی کو حاصل ہے کہ جس کی ابدیت مسلمہ اور جس کی جامعیت عظمتِ انسانیت کا سب سے بڑا معیار ہے اس لئے ہر صاحب بصیرت کی فکر اس اعتراف پر مجبور ہے کہ

پیغام صبحِ زندگی اُسوہ حضورؐ کا
ہے تازگی ہی تازگی اُسوہ حضورؐ کا
دنیا کی آرزو یہی عقبیٰ کی جستجو
عظمت رہِ حیات کی اُسوہ حضورؐ کا

صدر عالی مقام! حضور نبی کریم کا اُسوہ عظمتِ انسانیت کا معیار کیوں نہ ہو؟ آپ سے پہلے انسانیت تھی کہاں؟ انسانی ہاتھوں کے تراشیدہ اصنام کی پرستش ہو رہی تھی۔ بچیاں زندہ زمین میں دفن ہو رہی تھیں۔ شراب، جوا اور بے حیائی کو تہذیب اور قتل و غارت گری کو تمدن کا نام دے دیا گیا تھا۔ صرف جزیرہ نمائے عرب میں ہی نہیں بلکہ چودہ صدیوں پہلے کے ایران، مصر، ہند اور

چین میں بھی مصلحت کی سولی پر لٹکتی ہوئی انسانیت کا نوحہ سننے والے کان بہرے ہو چکے تھے۔

ایسے دورِ پر آشوب میں جنابِ والا! فاران کی چوٹیوں سے ابھرنے والے ماہتابِ نبوت کی کرنوں نے انسانیت کو حیاتِ نو بخش دی۔ میرے آقا نے غمزدوں کو زندگی کا شعور دیا۔ بے بسوں کو اوپر اٹھایا اور زمانے بھر کا مولیٰ کر دیا۔ زندہ دفن کی جانے والی مظلوم بچیوں کا دریدہ دامن باوقار زندگی کے موتیوں سے بھر دیا۔ ماں باپ کے قدموں تلے جنت رکھ دی۔ غلاموں کو شوکتِ کسرائی اور مجبوروں کو عظمتِ دارائی بخش دی۔ انسانی مظاہر کی پرستش کرنے والوں کو انوارِ توحید سے آشنا کر دیا۔ شیطانیت کا قصرِ ہلاکت زمیں بوس ہو گیا اور چمنستانِ انسانیت پر بہار آ گئی۔

آئے حضور زیست کا سامان مل گیا
انسانیت کا چاک تھا دامان سل گیا
معیارِ زندگی بنی سیرت حضورؐ کی
شرک و ہوا و حرص کا ایوان ہل گیا

حاضرین کرام!

اس چمنستانِ انسانیت کو اُسوہ حضور علیہ السلام کا نم ملا۔ یہ اس اُمی لقب مگر دانائے کل کا فیضان تھا جس کی سیرت آیاتِ کلامِ ربانی میں ڈھل کر قرآنِ ناطق کا روپ اختیار کر چکی تھی۔ جو صادق بھی تھا اور امین بھی۔ جو مکہ کا بہترین شہری بھی تھا اور کشورِ اسلام کا تاریخ ساز حکمران بھی۔ جو سالارِ افواج بھی تھا اور مقنن اعظم بھی۔ جو شارحِ قرآن بھی تھا اور شارع اسلام بھی۔ جو قاضی القضاۃ بھی تھا اور معیشت کے عقدے سلجھانے والا تاجر بھی۔ جو مسجد کی چٹائی پر بیٹھا تھا مگر ماضی حال اور مستقبل تینوں زمانوں پر گرفت رکھتا تھا۔ جو لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنہ کی تفسیر تھا۔ ہاں وہی جو انک لعلی خلق عظیم کی تنویر تھا ہاں ہاں وہی جو وما ینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحی یوحی کی تصویر تھا۔ جو تلوار کی نوک سے نہیں بلکہ الفاظ کی تاثیر سے دلوں پر حکومت کرتا تھا جس کے کردار کی عظمتوں کو دیکھ کر اغیار بھی اس کی توصیف میں رطب للسان ہو گئے کہ

انسانیت کا دل نشیں معیار آپ ہیں
دُنیا ہے ایک دشت تو گلزار آپ ہیں

جنابِ والا!

ہر دور کے مصلحین کے مقام و مرتبہ کا تعین کرنے کے لئے عظمتِ انسانیت کے معیار کو پیشِ نظر رکھنا پڑتا ہے مگر میرے حضور علیہ السلام کا اُسوۂ لازوال اس بلندی کو چھو رہا کہ جہاں انسانی ذہنوں کے تخلیق کردہ تمام معیار دم توڑ دیتے ہیں اور آپ کے سیرت و کردار کے آئینے میں عظمتِ انسانیت کا Un Challenged معیار وجود میں آتا ہے جس کے اوّل بھی آپ ہیں اور آخر بھی آپ۔

تجھ سے پہلے کا جو ماضی ہے ہزاروں کا سہی
حشر تک اب کے جو فردا ہے وہ تنہا تیرا

جنابِ صدر!

آیئے چند لمحوں کے لئے احادیث اور کتبِ سیرت کے ایوانِ نُور میں قدم رکھیں اور عظمتِ انسانیت کے اس سب سے بڑے معیار کی رفعتوں پر نظر ڈالیں۔ یہ اس کے کردار کا تذکرہ ہے جو پتھر کھا کر پھول برساتا ہے۔ دکھ اٹھا کر راحتیں تقسیم کرتا ہے۔ خون کے پیاسوں کو رحمت کی قبائیں اور جان کے دشمنوں کو لطف و کرم کی ردائیں عطا کرتا ہے۔ جو گرتوں کو اٹھاتا، روتوں کو ہنساتا۔ ظلمت کدوں میں علم و حکمت کی شمعیں جلاتا اور گمراہوں کو ذوقِ یقین دے کر خدا سے ملاتا ہے۔ جنابِ والا!۔ یہ اُسوۂ حضور علیہ السلام کی جلوہ گری ہے کہ آپ محبوبِ خدا ہو کر عام انسانوں سی زندگی بسر کرتے ہیں عدل و انصاف کا یہ عالم ہے کہ ایک امیر خاتون کی چوری کی سزا معاف کروانے کے لئے آنے والوں کو یہ کہہ کر لاجواب کر دیتے ہیں کہ

''اگر محمد علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ قلم کر دیتا''

انسانی حقوق کی پاسداری کا یہ عالم ہے کہ حجتہ الوداع کے موقعہ پر جو لفظ بھی منہ سے نکلا وہ تاریخ کا اعزاز بن گیا۔ اس خطبہ عالیہ نے نیو اسلامک ورلڈ آرڈر کی بنیاد رکھ دی۔ رحمت و

شفقت کی معراج عظمیٰ ہے کہ جب بھی تلوار اُٹھائی مظلوم کی حمایت میں اور پھر چشمِ فلک اس ایمان آفریں لمحے کو کیسے فراموش کرسکتی ہے جب فتح مکہ کے موقع پر آپ نے لاتثریب علیکم الیوم فرماتے ہوئے تمام دشمنوں کو اپنے سایۂ رحمت میں چھپالیا۔

والا مرتبت! عزم واستقلال دیکھنا ہوتو اس لمحے کا تصور کریں جب آپ نے کفار مکہ کی تمام دھمکیوں اور ترغیبات کے جواب میں فرمایا تھا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں تو بھی میں اشاعت اسلام کا فریضہ نہیں چھوڑوں گا آپ نے لات ومنات کو ہی ٹکڑے نہیں کیا بلکہ رنگ ونسل کے صنم کدے بھی ویران کردیئے۔

جنابِ والا!

غیر مسلم دانشور مائیکل ایچ ہارٹ اپنی کتاب ''دی ہنڈرڈ'' میں آپ کا اسمِ گرامی منتخب ترین شخصیات میں اوّلین مقام دیتے ہوئے اقرار کرتا ہے کہ آپ نے کردار سے تلوار کا کام لیا۔ دشمنوں کے سر قلم نہیں کئے بلکہ اپنے اُسوہ کی ہمہ گیریت سے زمانے بھر کے دلوں کو تسخیر کرلیا اور سیرت وکردار کا وہ نمونہ پیش کردیا کہ جس کی مثال ابد تک نہیں ملے گی۔ آپ کی سیرت ہی آپ کا سب سے بڑا اعجاز اور بزمِ ہستی کے لئے سب سے بڑا اعزاز ہے۔

صدرِ والا قدر! بلاشبہ اُسوہ حضور ہی عظمت انسانیت کا معیار ہے۔ وہ معیار کہ جس کی شمعِ راہ بنا کر ہم آج بھی ظلمتوں کے صحراؤں میں بھٹکنے والے قافلے کے مسافروں کو ابدی سرخروئی کا پیغام دے سکتے ہیں۔ اپنے آقا ومولا ﷺ کی عظمتوں کے حضور جبین نیاز خم کرتے ہوئے اس احساس کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ

اس عقلِ کم نگاہ کی زد سے نکل کے آ
تو اُسوہ حضور کے سانچے میں ڈھل کے آ
ملتی ہے آنسوؤں کو ستاروں کی آب و تاب
اے شوقِ بے کراں سرِ مژگاں مچل کے آ

☆☆☆

انسانیت رو بہ زوال ہے

(مخالفت)

صدر ذی وقار!

آج کے اس ایوان میں مجھے زیر بحث قرارداد کی مخالفت میں کچھ عرض کرتے ہوئے یہ ثابت کرنا ہے کہ انسانیت رو بہ زوال نہیں بلکہ عظمتِ انسانیت کا پرچم آج بھی تاریخ کے افق پر لہرا رہا ہے۔

جناب والا!

انسانیت نام ہے ان اُوصاف و آداب کا جو انسان کو عطا ہوتے ہیں جس طرح سورج اور شعاع کو ایک دوسرے سے جُدا نہیں کیا جا سکتا ہے، جس طرح پھول اور خوشبو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں، جس طرح چاند اور روشنی ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، اس طرح میں کیسے مان لُوں کہ انسان تو موجود ہو مگر انسانیت نظر نہ آئے۔ آج کے اس معزز ایوان کے مقررین انسانیت کے جامے میں ملبوس دلائل کے انبار لگا رہے ہیں۔ میں ''احسن تقویم'' چہروں سے عبارت ان انسانوں کو شیطان قرار نہیں دے سکتا تو پھر میں کیسے مان لُوں کہ انسانیت رو بہ زوال ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ انسانیت کے دشمنوں کے لئے

خدا جب عقل لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے
تو پھر ان پھول چہروں پر خباثت آ ہی جاتی ہے

والا قدر!

انسانیت کا کارواں ہر دم محوِ سفر ہے۔ انبیاء و رسل آئے۔ مصلحین اور دانشورانِ وقت کاروانِ انسانیت کے حُدی خواں بن کر ابھرتے رہے۔ یہ سب اسی لئے تھا کہ انسانیت کی شمع کی

روشنی کسی دور میں بھی ماند نہ پڑنے پائے۔ آقائے عالی مرتبت حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عظمتِ انسانیت کا وہ آفتاب روشن کیا کہ خدا نے آپ کے اُسوہ کامل کو معیارِ انسانیت قرار دے دیا۔ قرآن حکیم منشورِ انسانیت ٹھہرا۔ سیرتِ مصطفیٰ کا فیضان ابدی ہے۔ قرآن حکیم کے انوار لافانی ہیں۔ جن سے ہر دور ہر صدی اور ہر زمانہ فیضیاب ہو رہے ہیں۔ میں سیرت حضورؐ کے گلشن کا ادنیٰ سا خوشہ چیں ہوں۔ قرآن مجید کے تیس پاروں کا نُور مجھے ہی نہیں بلکہ کائنات کو راہنمائی عطا کر رہا ہے پھر میں کس طور حقائق سے آنکھیں چُرا کر خود کو عقل کا اندھا تصور کر لوں۔ یہ لقب تو قرارداد کی حمایت میں بولنے والوں کو سجتا ہے جو تحدیثِ نعمت کا حق ادا کرنے کے بجائے انوار کو اشرار اور انسانیت کو خباثت ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

ہائے افسوس کہ صرصر کو صبا کہتے ہیں
کتنے سادہ ہیں کہ ظلمت کو ضیا کہتے ہیں
دوسری سمت کے اندھوں کے دلائل سُن کر
عقل روتی ہے کہ یہ لوگ بھی کیا کہتے ہیں

صدرِ ذی وقار!

قائدِ ایوان اور ان کے حواریوں کی عقل پر رونا آتا ہے کہ خود کو عقلِ کل سمجھ کر اپنی انسانیت نوازی کا ڈنکا بھی بجا رہے ہیں اور زمانے بھر میں انسانیت کو روبہ زوال بھی قرار دے رہے ہیں۔ یہ سراسر منافقت ہے کہ

یہ کاغذی پھول جیسے چہرے مذاق اڑاتے ہیں روشنی کا

جنابِ والا!

اگر مطلع وقتی طور پر ابر آلود ہو جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سُورج کبھی نہیں چمکے گا۔ اگر کبھی چاند گہن آلود ہو جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب چاند روشنی نہیں بکھیرے گا۔ اسی طرح عصرِ حاضر میں اگر ہمیں کہیں معاشرتی برائیوں کی غلاظت نظر آئے تو اس سے یہ مراد لینا سراسر کوتاہ فکری ہے کہ یہاں سے کبھی خوشبو کے قافلے نہیں گذرے تھے یا پھر سے خوشبوئیں اپنا حسن نہیں

بکھیریں گی کیونکہ

سورج کا ہے کام چمکنا سورج اک دن چمکے گا
انسانی اقدار کا پھر پُر نور سویرا دمکے گا

صدرِ محترم!

اگر انسانیت رو بہ زوال ہے تو عصرِ حاضر کے جوانانِ صف شکن وقت سے خراج لیتے ہوئے کشمیر کی بہنوں کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے شہادت کی سُرخ خلعت کیوں زیب تن کر رہے ہیں، بوسینا کا مسلمان یورپ میں پھر سے نئے اندلس کی بنیاد رکھنے کے لئے طاغوتی طاقتوں سے کیوں ٹکرا رہا ہے، بیت المقدس کی بیٹیوں کی چادرِ عصمت سلامت رکھنے کے لئے اسلامیانِ عالم کیوں اپنے ہی خون میں غسل کر رہے ہیں؟ ننھا سا چچینا وقت کے سامراج سے کیوں ٹکرا رہا ہے؟

جنابِ والا!

قائد ایوان اور ان کے ساتھی ظلمتوں کے پجاری اور تاریک راتوں کے مسافر ہیں۔ انہیں وہ لوگ تو نظر آتے ہیں جو امن کی فاختہ کو ذبح کرنے پہ تلے ہوئے ہیں مگر وہ غیرت مند بھائی، وہ محبّ وطن شہری اور عظمتِ انسانیت کے علمبردار کیوں نظر نہیں آتے جو پڑوسی کی بیٹی کی عزت کے لئے اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں۔ کیا یہ انسانیت کی زندگی کا ثبوت نہیں کہ دہشت گرد انسانی خون سے ہولی کھیل رہے ہیں مگر مسجدیں اور عبادت گاہیں پھر بھی آباد ہیں۔ فرقہ پرست امت اسلام کی قوت کو پارہ پارہ کرنے کا عزم رکھتے ہیں مگر ایک مسلمان دوسرے بھائی کی پکار پر اب بھی سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ کیا برائی کے عفریت کو دیکھ کر آپ نیکی کے وجود سے سراسر انکار کر دیں گے۔ مگر سوچئے تو جنابِ والا! کہ برائی کب نہیں تھی؟ کیونکہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

والا قدر!

معرکۂ بدر ہو یا رزم گاہِ کربلا۔ صلیبی جنگوں میں حق و باطل کا ٹکراؤ ہو یا قیام پاکستان

کے لئے اہلِ حق کی دیوانہ وار جدوجہد، ہر جگہ بالآخر حق ہی غالب نظر آتا ہے اور انسانیت کا دوسرا نام حق کی فتح مندی ہے۔ہم بزدل قوم نہیں کہ معمولی سی گھٹاؤں کو دیکھا اور روشنی سے مایوس ہو گئے۔شیطانی ذرّیت کو ابھرتے دیکھا اور نصرتِ ایزدی سے منہ موڑ لیا۔ہم نے قائد ایوان اور ان کے ساتھیوں کی طرح منافقت کا درس نہیں لیا کہ انسانی روپ میں سٹیج پر آکر جھوٹے دلائل کے انبار بھی لگائیں اور شیطانی عزائم کی وکالت بھی کریں۔

جنابِ صدر!

میں انسانیت کے اُجالوں کا تمنائی ہوں۔ مجھے چاروں طرف عظمتِ انسانیت کا علم لہراتا نظر آتا ہے۔تاریخ کے افق پر نگاہ دوڑایئے انسانی اقدار کا سویرا اپنی تب وتاب دکھلا رہا ہے۔روشنی پھوٹ رہی ہے۔گنبدِ خضریٰ سے، بیت اللہ کے جلوؤں سے، قرآن حکیم کی عبارات سے، اُسوۂ حضورؐ کے اشارات سے، نیک انسانوں کے عظیم کردار سے، میں انسانیت کی بلندیوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اس اعلانِ حق کے ساتھ اجازت چاہوں گا کہ

انسانیت عظیم ہے انسان زندہ باد
امن و سکوں کے نُور کا فیضان زندہ باد

☆☆☆

ہر ناکام مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے

مخالفت

صدرِ والا قدر!

میں آج کے معزز ایوان میں پیش کی جانے والی اس قرارداد کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں کہ

ہر ناکام مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے

جنابِ والا!

یہ قرارداد سراسر حقائق کے منافی ہے۔ اس قرارداد کا مقصد مردوں کی ناکامیوں پر پردہ ڈالنا اور طبقہ نسواں پر الزام تراشی کرنا ہے۔ غضب خدا کا۔ وہ عورت جو ماں ہے، بیوی ہے، بیٹی ہے، وہ عورت جس نے انبیائے کرام اور مصلحین عالم کو جنم دیا۔ وہ عورت جس کی آغوش میں زمانے بھر کے فاتحین کشور کشا اور اصحابِ حکمت پلتے رہے۔ اس عظیم عورت کو مرد کی ناکامیوں کا باعث ٹھہرایا جا رہا ہے۔ قرارداد پیش کرنے والوں کی عقل کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

جنابِ صدر!

اس قرارداد کا مقصد ناکام اور نامراد مردوں کی غفلتوں کو عورتوں کے کھاتے میں ڈالنا ہے جو مرد میدانِ عمل میں سینہ سپر ہونا نہ جانتا ہو۔ جو مرد مصائب کا سامنا نہ کر سکتا ہو۔ جو مرد اپنی ناکامیوں کو کامیابیوں میں ڈھالنے کا ہنر نہ جانتا ہو۔ وہ مرد نہیں بلکہ مردانگی کے نام پر تہمت ہے اور ایسے ناکارہ مردوں کی ذلت و رسوائی کا الزام اس عورت پر رکھا جا رہا ہے جو عظمت و بہادری کی

علامت ہے۔ایسی غلط سوچ رکھنے والوں پر یہ شعر صادق آتا ہے کہ

ان عقل کے اندھوں کو اُلٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

صدرِ محترم!

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح جگمگا رہی ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پسِ پردہ ایک عورت کا ہاتھ ہے۔زمانے بھر کے عظیم سلاطین کے کارناموں پر نگاہ دوڑائیے۔اربابِ سیاست پر نظر کیجئے۔مفسرین اور محدثین کے کارنامے دیکھیے۔زمانے بھر کو تسخیر کرنے والے مجاہدین کی جدوجہد کا مطالعہ کیجئے۔ان کے کارنامے یقیناً کسی عظیم خاتون کے مرہونِ منت رہے ہیں۔یہ عورت ہی ہے جس نے جفاکش انسانوں کو جرأت و دلیری کی لوریاں سنا کر جوان کیا۔یہ عورت ہی ہے جس نے بیٹی اور بیوی بن کر مردانِ حق کو کامیابی کے جوہر سکھائے۔یہ عورت ہی ہے جو مایوس مردوں کا حوصلہ بڑھاتی ہے۔اور ان کی ناکامیوں کو کامیابی کا حسن بخشتی ہے۔

ہے یہی عورت کہ جو اقوام کا ہے افتخار
جس نے مردوں کو کیا عالی نظر عالی وقار
ہے یہی عورت کہ جو ہے روحِ ارضی کا نکھار
اس نے مردوں کو بنایا کامیاب و کامگار

والاقدر!

انبیائے کرام کی سیرت کا مطالعہ کیجئے یہاں بھی عظیم خواتین اپنی عظمت منواتی نظر آتی ہیں۔ہمارے آقا و مولا حضور محمد مصطفیٰ ﷺ پر جب کفارِ مکہ ظلم و ستم کی انتہا کر دیتے ہیں تو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ آپ کو یہ کہہ کر حوصلہ دیتی ہیں کہ آپ کا رب آپ کو مایوس نہیں کرے گا کیونکہ آپ مظلوموں کی ڈھارس اور غم کے ماروں کا قرار ہیں۔سیدنا امام حسین کربلا میں سید الشہداء کے مقام پر فائز ہوتے ہیں تو آپ کو اس جاودانی مقام تک پہنچانے والی آپ کی والدہ

خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ زہرا تھیں جن کی تربیت نے آپ کو جان دے کر اسلام کو زندہ کرنے کے آداب سکھا دیئے۔

جناب والا!

ایک عورت کا مردوں کی کامیابی میں کیا کردار ہوتا ہے؟ اس کا انداز نپولین کے اس قول سے ہوتا ہے۔ تم مجھے دس بہترین مائیں لا دو میں تمہیں ایک مثالی اور عظیم قوم دوں گا۔ گویا عظیم مردوں کو رزم گاہِ حیات میں آگے بڑھانے کے لئے عورت کے کردار کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام کرنا ایک عورت یعنی آپ کی بہن کا مرہون منت ہے۔ وہ عمر رضی اللہ عنہ جو ننگی تلوار اُٹھائے آنکھوں میں لہو کی سرخی لئے شہادت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منصوبہ لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ اپنی بہن کی تلاوت قرآن آپ کا راستہ روک لیتی ہے۔ اور رسول اللہ کا سب سے بڑا دشمن آپ کا سب سے بڑا جانثار بن جاتا ہے اور آپ کی بدولت اسلام کی کشور کشائی کے دروازے کھلنے لگتے ہیں

جناب والا!

مجھے میدان کربلا میں ایک عظیم خاتون سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی للکار سنائی دے رہی ہے جو ہر قدم پر اپنے عظیم بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا حوصلہ بڑھا رہی ہیں۔ چاروں طرف لاشے بکھرے ہیں۔ مگر وہ اپنے ننھے فرزندوں عون اور محمد کو شوکتِ اسلام کا ترانہ سنا کر باطل کے مقابل صف آرا کر دیتی ہیں۔ یہی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ابن زیاد اور یزید کے دربار میں اس شان سے اسلام کی عظمت کا فلسفہ بیان کرتی ہیں کہ کجکلا ہوں کے سر ہمیشہ کے لے جھک جاتے ہیں اور یہی وہ خاتون ہے جس کا نعرہ اس حقیقت کو دوبالا کر دیتا ہے کہ

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

صدرِ ذی وقار!

ایک نظر برصغیر پاک و ہند کی تاریخ پر دوڑایئے۔ نصیر الدین کی مایوس زندگی کو اس کی بیوی ارجمند

بانو کا تاریخی کردار کامیابیوں میں بدلتا ہے۔نور الدین جہانگیر کی غفلت شعاریوں کے باوجود طویل اور مستحکم حکومت کے پس پردہ ملکہ نور جہاں کی معاملہ فہمی نظر آتی ہے۔ریاست بھوپال کی علم پرور حمیدہ بیگم کے علمی کارنامے کس سے مخفی ہیں جنہوں نے پردے میں رہ کر اپنے خاوند نواب صدیق حسن کے ذریعہ برصغیر میں دینی علوم کی اشاعت کے لئے وہ کردار ادا کیا کہ آج تک دنیائے علم و حکمت ان کے سامنے سرخمیدہ ہے۔

والا مرتبت!

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے جذبہ حریت کے پس پردہ کس کی قوت تھی۔وہ قوت ان کی تاریخ ساز والدہ اماں بی کی تھی کہ جن کا نعرہ آزادی برصغیر کے ہر گوشے میں گونج رہا تھا۔

بولیں یہ اماں محمد علی کی
بیٹا جان اپنی خلافت پہ دے دو

مولانا محمد علی جوہر کو عظیم تر بنانے میں آپ کی بیگم کا کردار بھی تحریک پاکستان کے ایوانوں میں جگمگا رہا ہے۔مجاہد آزادی مولانا حسرت موہانی کی بیگم کی للکار اب بھی حیات ابدی کے آداب سکھا رہی ہے۔

اور جناب والا!

بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کے روشن کردار کی کون فراموش کر سکتا ہے۔بھائی بابائے قوم تھا تو بہن مادرِ ملت،یہ وہی مادرِ ملت ہیں جن کے متعلق قائداعظم کہا کرتے تھے کہ تحریک پاکستان میں فاطمہ جناح میرا بہت بڑا سہارا ہے۔یہ مایوسیوں میں شمع امید روشن کرتی ہے۔حالات کی ظلمتوں میں چراغ عمل بن کر جگمگاتی ہے۔فاطمہ میری اصل قوت ہے،میرا حوصلہ ہے۔میرا سامایہ فخر ہے۔

آپ نے دیکھا کروڑوں فرزندانِ توحید قائداعظم کے شکر گزار ہیں۔اور قائداعظم

عظیم خاتون کو خراجِ تحسین ادا کر رہے ہیں۔

جناب والا!

آج ماننا ہوگا کہ فقط عورت کی ذات ہے جو مردوں کو عظمت سے ہمکنار کرتی ہے۔ راہِ عمل میں سفر کرنے والے مایوس ہو کر جب ہمت ہار بیٹھتے ہیں تو خاتونِ خانہ ان کا حوصلہ بندھاتی ہے۔ ان کے حوصلوں کو فراخی اور خیالات کو پختگی عطا کرتی ہے مرد کی پریشانیوں کا بوجھ اٹھاتی اور گر کر سنبھلنے کے آداب عطا کرتی ہے۔

جناب صدر!

ناکام افراد ہر دور کے لئے وجہِ ذلت و رسوائی رہے ہیں۔ قائد ایوان ان ناکامیاب افراد کی رسوائی کا باعث عورتوں کو ٹھہرا کر ان ناکام افراد کو مزید نکمے پن کی تعلیم دے رہے ہیں۔ قرارداد کی حمایت میں بولنے والے روشنی کو ظلمت اور علم کو جہالت قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں ہمیں ماننا ہوگا کہ جس انسان کو عورت کے مشورے حاصل نہ ہوں۔ اس کی تائید میسر نہ ہو۔ وہ کبھی کامیابی کی منزل کو نہیں چھو سکتا۔ ناکام مرد وہی ہوتے ہیں جو عورت کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھتے ہیں یہ گھر کے رہتے ہیں نہ گھاٹ کے بلکہ ان کا حقیقی مقام ذہنی امراض کا شفا خانہ ہوتا ہے۔ ان گزارشات کی روشنی میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس قرارداد کی مذمت کر سکوں اور کہہ سکوں کہ ناکام مرد کے پیچھے نہیں بلکہ کامیاب مرد کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔

☆☆☆

''ذرائع ابلاغ تعلیمی انحطاط کا موجب نہیں''

صدرِ محترم اور معزز حاضرین!

مجھے آج کی قرارداد کی مخالفت کر کے عرض کرنا ہے کہ

''ذرائع ابلاغ تعلیمی انحطاط کا موجب نہیں''

جنابِ والا!

ذرائع ابلاغ کسی بھی قوم کی ترقی میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ترقی یافتہ قومیں تو ذرائع ابلاغ کو قومی ترقی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا نام دیتی ہیں۔پسماندہ فکر رکھنے والے ذرائع ابلاغ کی اہمیت کو کیا جانیں۔اور ذلت و رسوائی کی چکی میں پسنے والے ذرائع ابلاغ کے مقام کو کیسے تسلیم کریں۔جس طرح رات کے اندھیروں میں اُلو آنکھیں کھولتا ہے۔تو وہ اندھیرے کو ہی روشنی سمجھتا ہے۔اسی طرح جو لوگ قومی ترقی کو گوارا نہیں کر سکتے وہ اپنا غصہ ذرائع ابلاغ پر نکال رہے ہیں۔ان عمل کے اندھوں کے لئے یہی کہنا کافی ہے کہ

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جنابِ والا!

ذرائع ابلاغ کو قوم کی آنکھ کہا جاتا ہے۔ان سے قوم کی نظریاتی اور معاشی ترقی کا پہیہ حرکت میں آتا ہے ان کی تنقید راستہ بھولنے والوں کی راہنمائی کرتی ہے۔ان کے پر مغز مقالات مضامین اور تقریریں ہمیں آگے بڑھنے کا ڈھنگ سکھاتی ہیں۔اخبارات و رسائل کی تحریریں فرزندانِ قوم کو ترقی کرنے کا حوصلہ بخشتی ہیں۔ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے پروگرام طالب علموں اور

بڑوں کو علم وحکمت کی دولت بخشتے ہیں۔

صدرِ ذی وقار!

ذرائع ابلاغ کی اہمیت سے انکار کرنے والے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی اہمیت کے منکر ہیں۔ یہ وہ ذرائع ہیں جنہوں نے پوری دنیا کو گلوبل ویلج میں تبدیل کر دیا ہے ان کی بدولت ہم ان ایجادات اور جزیروں سے آگاہ ہو رہے ہیں جن کا سراغ مہینوں کے بعد ملتا تھا۔ خلائی سفر کے احوال، چاند ستاروں کی گردش، افلاک پر کمندیں ڈالنا، سائنس کے کرشمے، انسان دماغ کی کرشمہ کاریاں، ادبِ لطیف کی دلکشی اور علم وحکمت کی گُل کاریاں یہ سب ذرائع ابلاغ کی بدولت ایک آن میں ہم تک پہنچتی ہیں۔ ان کی اہمیت سے انکار کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے کوئی سانس بھی لے اور ہوا کے وجود سے منکر بھی ہو۔ ان کے لئے یہی کہنا کافی ہے

ان عقل کے اندھوں کو اُلٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

والا قدرِ!

ذرائع ابلاغ کی عظمت دیکھنی ہو تو تحریک پاکستان کا مطالعہ کیجئے۔ جب آزادی کا نام لینا جرم تھا۔ جب سچ بولنے پر زبانیں کٹتی تھیں۔ جب برصغیر کے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ جب انگریز سامراج اور ہندو استبداد پاکستان کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اس قیامت خیز دور میں ذرائع ابلاغ نے چاند سورج جیسی چمک دکھلائی۔ اس دور کے مسلم اخبارات زمیندار، انقلاب اور پیسہ اخبار نے مسلمان قوم کو آزادی کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ مولانا ظفر علی خاں، مولانا محمد علی جوہر اور مولوی محبوب عالم جیسے صحافی مسلم قومی کی تقدیر بن گئے۔ یہ انہیں اخبارات کی تحریروں اور پُر جوش نظموں کا اثر تھا کہ برصغیر کے کروڑوں مسلمان سینہ تان کر نکلے۔ انگریز اور ہندو کا سر جھک گیا۔ پاکستان وجود میں آیا۔ اور قائداعظم نے کہا کہ میں ذرائع ابلاغ کا شکر گزار ہوں جنہوں نے آزادی کی منزل کو اس قدر قریب کر دیا۔

جنابِ صدر!

ابھی پاکستان بن ہی رہا تھا کہ قائداعظم کے حکم پر روزنامہ ''ڈان'' اور ''نوائے وقت'' تاریخ کے افق پر ابھرے۔ کیا ہماری قوم الطاف حسین مرحوم اور حمید نظامی مرحوم جیسے آزادی کے مجاہدوں کو بھول سکتی ہے۔ ان مجاہدوں کی للکار سے باطل کے ایوانوں میں زلزلہ طاری ہو جاتا تھا۔ آخر ہم اتنے احسان فراموش کیوں ہو گئے ہیں کہ آزادی کی نعمت تو حاصل کر رہے ہیں مگر جن کے سبب سے یہ نعمتِ خداوندی ہمارے دامن میں آتی ان کے وجود سے انکار کر رہے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ

جو بات میں کہتا ہوں بالکل ہی صداقت ہے
اپنی جو ترقی ہے ابلاغ کی عظمت ہے

صدر محترم!

زمانہ جوں جوں آگے بڑھا۔ ذرائع ابلاغ نے بھی آگے کو قدم بڑھائے۔ آج کوئی یورپ میں سانس لے تو اس کی گرمی ایشیا میں محسوس ہوتی ہے۔ اخبارات۔ رسائل و جرائد۔ ریڈیو ٹیلیویژن۔ انٹرنیٹ۔ کمپیوٹر اپنی جگہ کیا آپ ٹیلی پرنٹر اور فیکس کی سہولتوں سے فائدہ نہیں اٹھا رہے۔ اگر آج ہم ذرائع ابلاغ ہم سے منہ موڑ لیں تو ہم ایک جزیرے کے قیدی بن کر رہ جائیں ایسا جزیرہ جس کے چاروں طرف پانی ہوتا ہے اور جس کے باشندوں کا مقدر موت ہوتی ہے۔ ان ذرائع ابلاغ نے ہمیں جینے کا ڈھنگ سکھایا جہالت کے اندھیروں کو مٹایا۔ پستی میں رہنے والوں کو اوپر اٹھایا اور سب سے الگ تھلگ قوم کو ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بشانہ چلایا۔

جنابِ والا!

آج ذرائع ابلاغ پر تنقید کرنے والے کہہ سکتے ہیں کہ ان کی بدولت فحاشی اور عریانی کا تصور ملتا ہے۔ بُرے کاموں کی ترغیب ہوتی ہے۔ مگر یہ صاف جھوٹ ہے۔ یہ تنقید کرنے والوں کا اپنا گناہ ہے۔ جہاں عورت کی تصویر دیکھی یہ دیوانے ہو گئے۔ خواہ وہ عورت حب الوطنی کا پیغام ہی دے رہی ہو۔ اگر چند پروگرام برے ہیں تو ان کی وجہ سے ذرائع ابلاغ کی اہمیت اور افادیت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آپ اگر چاہیں تو کوئی آپ کو ایسے پروگرام دیکھنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ تو

آپ کے اندر کا گنہگار انساں ہے جو گمراہ کن پروگرام عبادت سمجھ کر دیکھتا ہے اور بعد میں ان پر تنقید کر کے ثواب بھی کماتا ہے۔ ایسے ہی منافقوں کے لئے کسی نے کہا تھا۔

درسِ قرآں بھی سُنا فلمی گانے بھی سُنے
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت بھی نہ گئی

صدرِ والا قدر!

آج دیکھئے مسلمان ملک عراق کو خون میں نہلا دیا گیا۔ انبیاء اور اولیاء کا عراق برباد کر دیا گیا مگر یہ ذرائع ابلاغ ہی کا کمال ہے کہ ہم تک سچی تصاویر پہنچا رہے ہیں۔ کتنے صحافی ہلاک ہو گئے مگر انہوں نے حق شناسی کا دامن نہیں چھوڑا۔ امریکہ شیطان بن کر رقص کر رہا ہے مگر امریکہ برطانیہ، سپین اور کئی دوسری یورپی قوموں کے کروڑوں افراد انسانیت کے قتل عام کا ماتم کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے آنسو اپنی جگہ۔ مگر غیروں کا ہمارے لئے رونا انسانیت کی فتح ہے۔ اگر آپ میں سچ سننے اور بولنے کا ذرا سا بھی حوصلہ ہے۔ تو فیصلہ کیجئے ہم تک انسانیت کی سربلندی کا یہ پیغام کس نے پہنچایا۔ یقیناً آج کے ایوان کا ایک ہی جواب ہوگا کہ "ذرائع ابلاغ نے"

جناب والا! ذرائع ابلاغ کسی صورت بھی تعلیمی انحطاط کا موجب نہیں۔ اخبارات اور رسائل کے مضامین پڑھیے زبان کی اصلاح ہوتی ہے۔ ٹیلیویژن پر تو تعلیمی، معلوماتی، نظریاتی، تاریخی اور اسلامی پروگرام کثرت سے آتے ہیں۔ اور پھر کمپیوٹر نے تو تاریخ اسلام، تاریخ پاکستان اور قرآنِ مجید کو محفوظ کر دیا ہے کہ جب وقت ملے ایمان اور علم کی دولت حاصل کر لیں۔ لیکن اگر آپ ہی کرکٹ میں اُلجھے رہیں تو ذرائع ابلاغ کا کیا قصور آپ سے کون کہتا ہے کہ جس دن کرکٹ کا میچ ہو اس دن سکول اور کالج میں ہی نہ آئیں۔

والا قدر! یہ ذرائع ابلاغ پر تنقید کرنے والوں کے اپنے چہروں کی کالک ہے جو وہ ذرائع ابلاغ پر مل رہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ تو تعلیم کو فروغ دیتے ہیں۔ ہم تک تاریخ جغرافیہ سمیت تمام علوم پہنچاتے ہیں۔ ہمیں زمانے بھر سے باخبر رکھتے ہیں۔ علم باخبری کا دوسرا نام ہے۔ اس لحاظ سے ذرائع ابلاغ تعلیمی انحطاط کا موجب نہیں بلکہ تعلیم کے فروغ اور علم کی اشاعت کا اہم ترین ذریعہ ہیں۔

مباحثہ

نوکری نالوں ٹوکری چنگی

(حمایت)

صدر صاب!

میں تہاڈی اجازت نال اج دی ایس پرھیا وچ ایہہ قرارداد پیش کرنا چاہندا ہاں پئی

"نوکری نالوں ٹوکری چنگی"

صدر صاب! نوکری غلامی تے ذلت دی نشانی اے۔ نوکری دا لفظ موہنوں بولدیاں ای ایہو جیہے ایہو جیہے غلام دا خیال ذہن وچ ابھردا اے جیہدی اپنی کوئی مرضی نئیں تے جیہڑا اپنے آقا دے اشاریاں تے چلن نوں ای زندگی سمجھ رہیا اے۔ ایہدے مقابلے تے ٹوکری دا لفظ ویکھن تے سنن تائیں بڑا ہولا لگے گا پر ایس دے معنی بڑے ڈونگے تے بڑے اچے نیں۔ ٹوکری غیرت تے عزت دا سبق پڑھا کے حلال رزق کمان دی توفیق بخش دی اے۔ ایہہ محنت مزدوری دا مان تے محنت کرنے والے دی ہمت دا نشان اے

محنت دی اس دنیا اندر اوناں ای پھل پایا
جنہاں خون پسینہ دے کے اپنا رزق کمایا
جیہڑے نوکر چاکر بن کے چلدے سیس نوا کے
ایس حیاتی اندر اونہاں اپنا آپ گوایا

صدر صاب! نوکری دفتراں دی فائلاں وچ دنے راتیں کھپن والے بابو تے پیدا کر سکدی اے پر انہاں کولوں آزادی دا اوہ جذبہ کھوہ لیندی اے جدے نال انسان اپنی مرضی نال سوچدا اے، اپنی مرضی نال کم کر سکدا اے۔ نوکری دے مقابلے تے ٹوکری بھاویں ہولا لفظ اے پر ایہدے وچ محنت دا اوہ جذبہ چھپیا ہویا اے جس دی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے ارشادات دے وچ ملدی اے۔ آپ نے فرمایا "**الکاسب حبیب اللہ**" مطلب ایہہ وے پئی ہتھ نال کم کرن والا تے خون پسینہ اک کر کے روٹی کمان والا اللہ دا دوست اے۔

ٹوکری نال محنت مزدوری کر کے بھاویں پیسے تھوڑے ای لبھن پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے **"الفقر فخری"** فرما کے سارے کمزوراں تے ماڑیاں نوں اپنے سینے نال لا لیا اے۔

عالی جناب! نوکر دی حیثیت کھوہ دے اوس ڈھگے دی ہوندی اے جیہڑا سارا دن کھوہ دے دوالے گھمدا رہندا اے تے جدوں شام ہوندی اے اوہنوں رہائی ملدی اے۔ اگلے دن فیر سویر توں لے کے شام تیکر اوہدا ایہہ ای کم شروع ہو جاندا اے۔ سرکار دے نوکر نوں مہینے مگروں اک لگی بندھی تنخواہ ملدی اے جیہڑی مہینے دی پندرہ تاریخ اون توں پہلاں ای ختم ہو جاندی اے تے باقی سارا مہینہ ایہہ قرض تے گزارا کردا اے۔ تنخواہ تے قرض وچ ای ایہدی ساری حیاتی بیت جاندی اے تے جدوں ایہہ ریٹائر ہوندا اے تے ایہنوں پتہ چلدا اے پئی ایہہ تے اپنے بچیاں لئی معمولی جیہا مکان وی نئیں بنا سکیا۔

صدر صاب! سندے آئے آں کہ زمانے وچ نوکر دی بڑی عزت ہوندی سی۔ لوکی ایہدے ول عزت دی نظراں نال ویکھدے سن پر اج تے نوکری مذاق بن کے رہ گئی اے۔ سولاں جماعتاں پاس کر کے وی سرکار دے نوکر نوں اینے پیسے نئیں ملدے کہ ایہہ گھر دا خرچ چنگی طراں چلا سکے۔ ملک دا بجٹ تے اک واری پیش ہوندا اے پر نوکری دا طوق گل وچ پان والے نوں ہر مہینے اپنا بجٹ نویں سروں بنانا پیندا اے۔ ایس لئی کہ قیمتاں بڑی تیزی دے نال ودھ دیاں نیں تے ایناں دے مقابلے وچ نوکر دی مقررہ تنخواہ ہر مہینے پہلے تو زیادہ سکڑدی ہوئی محسوس ہوندی اے۔ ایہدی تنخواہ دا اک حصہ اپنی ظاہری شان قائم رکھن وچ خرچ ہو جاندا اے۔

عالی جناب! ایہدے مقابلے نے ٹوکری ڈھون والے، محنت مزدوری کرن والے تے چھوٹا موٹا کاروبار کرن والے نوں کوئی غم نئیں ہوندا۔ نہ تے ایہنوں ظاہری شان و شوکت دی فکر ہوندی اے تے نہ ای ایہنوں قیمتاں دے ودھن دا خوف ستاندا اے۔ چیزاں دی قیمت ودھ دی اے تے ایہہ اپنا مال اوناں ای مہنگا ویچن لگ پیندا اے۔ نہ غلامی دا خوف، نہ افسراں دا ڈر، نہ کولھو دے ڈھگے دا چکر۔ سادہ زندگی نہ کوئی پریشانی نہ کوئی غم۔ جو ملیا اوہنوں ای صبر شکر کر کے قبول کر لیا۔ نہ لمیاں چوڑیاں خواہشاں تے نہ ای فکراں تے پریشانیاں۔

صدر صاب! کنے افسوس دی گل اے کہ اول تے پڑھیاں لکھیاں نوں نوکری ای نئیں ملدی۔ نوکری دے لالچ وچ بے شمار پڑھے لکھے جوان اپنیاں زندگیاں درخواستاں لکھ لکھ کے گزار دیندے نیں تے نوکری فیروی نئیں ملدی۔ جے ملے وی تے ساری عمر لئی غلامی دا طوق گردن وچ پا دیندی اے۔ کسے زمانے وچ سرکاری غلام دی بڑی شان ہوندی سی۔ اک اسکول دا استاد اپنی تنخواہ نال گزارا وی کر لیندا سی تے کسے ضرورت مند دی امداد وی کر لیندا سی۔ پر اج دا غلام پریشانیاں تے قرضیاں دی گھمن گھیری وچ انج پھس چکیا اے پئی ودھ دیاں ہویاں قیمتاں دی وجہ نال ایہدے بچ نکلن دے کوئی آثار نظر نئیں اوندے۔

صدر صاب! ٹوکری چکنا تے محنت مزدوری کرنا بے عزتی نئیں بلکہ عزت تے فخر دی نشانی اے۔ سب توں پہلی چیز دل دا سکون اے جیہڑا نوکری نال نئیں لبھدا تے ٹوکری ڈھو کے تے محنت مزدوری کر کے آسانی نال مل جاندا اے۔ ایناں دلیلاں نال میں گزارش کرناں کہ مینوں ایہہ قرارداد اس پرھیا وچ پیش کرن دی اجازت دتی جائے پئی۔

"نوکری نالوں ٹوکری چنگی

---○---

مباحثہ

"نوکری نالوں ٹوکری چنگی"

(مخالفت)

صدر صاحب!

میرے توں پہلاں ایوان دے قائد ہوراں جیہڑی قرارداد پیش کیتی اے اوہ حقیقت دے بالکل خلاف تے انصاف دے بالکل الٹ اے۔ ایس پاروں میں ایس قرارداد دی پرزور مخالفت کر کے ایہہ عرض کرنا چاہندا ہاں کہ نوکری اک بڑا باعزت پیشہ اے تے ٹوکری ایہدے توں کدے وی اچی قرار نئیں دتی جا سکدی۔

صدر صاب! مینوں تے انج لگدا اے پئی ایوان دے قائد نوں نوکری نہ ملن دا بڑا تلخ تجربہ اے انج محسوس ہوندا اے پئی اینہاں نوکری حاصل کرن لئی بڑیاں کوششاں کیتیاں نیں تے چارے پاسیوں مایوس ہو کے "انگور کھٹے نیں" والا راگ الاپن لگ پئے نیں۔ نوکری دی ماضی وچ وی بڑی عزت سی تے اج وی نوکری نوں بڑی عزت تے شان والا پیشہ سمجھیا جاندا اے۔ مختلف محکمیاں وچ نوکری کرن والے ملک تے ملت لئی بڑی شاندار تے بہترین خدمات انجام دے رہے نیں۔

صدر صاب! قائد ایوان نے ملازم دی تھوڑی تنخواہ تے نت ودھ دیاں ہویاں قیمتاں دا فرق ظاہر کر کے ملازم نال ہمدردی کرنے دے بجائے بڑی طنز دے نشتر چبھوئے نیں۔ نشتر چبھون دے بجائے اہناں نوں نوکری کرن والیاں دی عظمت نوں سلام کرنا چاہی دا سی جیہڑے انہاں دکھ بھرے حالات وچ وی مایوس نئیں ہوئے تے اپنے فرائض پوری ایمانداری نال انجام دے رہے نیں۔ غریبی کوئی معنا نئیں تے نوکری کرن والیاں دا حوصلہ اے جیہڑے ایہڈے مہنگے دور وچ وی اپنا اپنا کم کر رہے نیں۔ ایوان دے قائد نوں ایہڈا وڈا جھوٹ بولن توں پہلاں سوچ لینا چاہی دا سی۔

دل دے اندروں ابھرن والے سچ نوں کون دبا سکدا اے
اسماناں تے چمکن والا سورج کون چھپا سکدا اے

صدر صاب! ایوان دے قائد نے نوکراں نال ہمدردی دا اظہار کردیاں ہویاں دن دگنی رات چوگنی ودھ دیاں ہویاں قیمتاں دا ذکر کیتا اے۔ ہن سوال پیدا ہوندا اے۔ ایہہ قیمتاں کون ودھاندا اے؟ ایہناں قیمتاں نوں ودھان وچ بہت سارا ہتھ ٹوکری تے پھیری لان والے دوکانداراں تے ریڑیاں تے پھل تے سبزیاں و ویچن والیاں دا اے۔ جہناں دا کوئی پکا اصول ای نئیں تے جیہڑے ہر گاہک لئی نویں قیمت دس دے نیں تے دو روپے دی چیز دس روپیاں وچ ویچ کے وی گاہک نوں ایہہ یقین دواندے نیں پئی ایہہ چیز بہت سستی دے رہے نیں۔

صدر صاب! ایوان دے قائد نے جیہڑی نوکری نوں بڑی معمولی تے ذلیل چیز قرار دتا اے ایہدے نال ای ملک دا قومی تے بین الاقوامی کاروبار چل رہیا اے۔ نوکری کرن والیاں چہ صرف چپڑاسی تے کلرک ای نئیں ہوندے اہناں وچ اچا دماغ رکھن والے پروفیسر، سچا ذہن رکھن والے معیشت دان، اعلیٰ صلاحیت رکھن والے خارجہ امور دے ماہر تے بہترین خوبیاں رکھن والے، داخلی مسئلے سلجھان والے عالم فاضل وی ہوندے نیں۔ ایہہ اوہ قابل تے محنتی لوک نیں۔ جنہاں تے زمانہ ناز کردا اے۔ ایہہ اوہ فرض شناس نوکر نیں جنہاں نال وطن دی آبرو قائم اے۔ ایہہ اعلیٰ دماغ دنے راتیں محنت کر کے ملک دی تقدیر نوں بدلن لئی پوری پوری کوشش کر رہے نیں تے ملک نوں ترقی تے خوشحالی دی شاہراہ تے چلان خاطر ساریاں صلاحیتاں صرف کر دیندے نیں۔ ایہہ ملک دا مان نیں تے ملک انہاں دی شان اے۔

جھوٹ بھاویں ماریئے پر اہناں وی نہ ماریئے
چن نوں نہ کدے وی زمین تے اتاریئے

صدر صاب! کسے وی پیشے نوں ذلیل کرن توں پہلاں ایہدے نال تعلق رکھن والے لکھاں انسان دی عزت نوں وی سامنے رکھنا چاہی دا اے۔ مینوں یقین اے کہ ایہہ ای قائد ایوان جیہڑے اج نوکری دی تذلیل کر رہے نیں تعلیم توں فارغ ہوندیاں ای نوکری دیاں

درخواستاں لے کے مختلف محکمیاں دے چکر لانا شروع کردین گے تے فیر انہاں نوے پتہ چلے گا پئی نوکری چنگی اے کہ ٹوکری۔ نوکری ہووے یا ٹوکری اسیں کسے نوں ذلیل قرار نئیں دیندے پر ایہہ ضرور آکھاں گے پئی ٹوکری والیاں نالوں نوکری والے ملک تے ملت دی زیادہ بہتر طریقے نال خدمت کر سکدے نیں۔

صدر محترم! جے کر ٹوکری وچہ ای سب فضیلتاں چھپیاں ہویاں نیں تے اک گل ضرور سوچنی پوے گی۔ اوہ اے، وے پئی جے ملک دے سارے ای لوک کاروباری ہو جان تے ٹوکری دی شان نوں ودھ من کے نوکری کرن توں انکار کردین تے ملک دا کاروبار کویں چلے گا۔ ملک دا دستور قانون کون بناوے گا، حکومت کون کرے گا، علم دی روشنی کون پھیلائے گا، سچائی دا جھنڈا کون لہرائے گا۔ ملک نوں اسلام دا قلعہ بنان لئی کون کم کرے گا، دوجے ملکاں نال تعلق کویں قائم ہون گے تے پوری دنیا وچ پاکستان دا اچا ناواں کویں گونجے گا۔ قائد ایوان دے کہن دے مطابق جے ٹوکری نوں ای قومی نشان من لیا جائے تے ملک وچ لوٹ کھسوٹ دے ناں تے کاروبار کرن دا سلسلہ شروع ہو جائے گا تے اوہدوں تیکر بند نئیں ہووے گا جنہاں تیکر ملک تباہی دے کنارے تے نئیں پہنچ جاندا۔ نوکری آخر نوکری اے تے ملک دا نظام نوکر ای چلا سکدے نیں ٹوکری ڈھون والے نئیں۔

صدر صاب! اہناں روشن تے واضح دلیلاں دی روشنی وچ مینوں ایس قرارداد دی پرزور مخالفت کردیاں ہویاں ایہہ آکھن دی اجازت دتی جاوے پئی۔

نوکری ہر حالت وچ ٹوکری تو اچی تے ملک و ملت لئی فائدہ مند اے

---O---

مباحثہ

قلم تلوار توں ڈاڈھا اے

(حمائت)

صدر صاب!

میں تہاڈی وساطت نال اج دے ایوان وچ ایہہ قرارداد پیش کرنی چاہندا ہاں پئی

"قلم تلوار توں ڈاڈھا اے"

دنیا ایہہ گل ہمیش توں من دی آئی اے پئی قلم تلوار توں ڈاڈھا اے تے ایناں کو ڈاڈھا اے کہ ایناں دوناں دا مقابلہ ای کوئی نئیں۔ تلوار تے آپوں قلم دے اشاریاں دی محتاج اے۔ تے محتاج دی کی جرات اے کہ اپنے مختار دے سامنے آکے مقابلہ کر سکے۔

پردھان جی! رب پاک نے قلم دا ذکر قرآن وچ بڑے چانال کیتا اے تے ایدی وڈھیائی کھول کے بیان کیتی اے۔ ازل دیہاڑے جیہڑیاں خاص چیزاں نوں پیدا فرمایا گیا انہاں وچ قلم نوں پہلا مقام حاصل اے۔ تے جدون رب نے قلم نوں قدرت دی لوح اتے دنیا بھر دی تقدیر لکھن کا فرض عطا کیتا تے ایہدی وڈھیائی اتے منی پرمنی مہر لگ گئی۔ تے ایہہ ای قلم اے جیہڑا انسان دی زندگی توں لے کے ایہدی موت تیکر تے موت توں لے کے قبر تے حشر تیکر ایہدی ظاہری تے باطنی حیاتی دا اک اک فیصلہ لکھ رہیا اے۔ ایڈی بزرگی تے شان والے قلم دے مقابلے وچ تلوار جہی معمولی چیز نوں لیانا سورج اگے دیوا بالنا نئیں تے ہور کی اے۔

سچ تے ایہو ای اے پئی

قلم جہدی کیتی اے رب نے بڑائی
کیویں کوئی کر سکے اس دی برائی
جیہڑا دو جہاناں دی تقدیر لکھے
جھکے کیوں نہ فر اسدے اگے خدائی

عالی جناب! قلم اختیار دی نشانی وی اے تے علم دی بزرگی دا اعلان وی۔ ایہہ درویشاں دا مان

دی اے تے ادیباں تے شاعراں دی شان وی۔ جدوں ایہہ قلم کسے اچے اختیار والے دے ہتھ وچ ہوندا اے تے دنیا ڈولدی پھردی اے۔ وڈھے وڈھے دولت مند، وزیر تے امیر قلم دی مار توں بچن خاطر لکدے پھردے نیں۔ تلوار دی قوت تے مان کرن والے سپہ سالار قلم دی طاقت اگے سر جھکا دیندے نیں کہ پتہ نئیں قلم دا غصہ کدوں اینان دا غرور مٹی وچ ملا کے ایناں نوں دو کوڈی دا کر دیوے۔ تے ایناں نوں ہتھ وچ پھڑی ہوئی تلوار نال جیدے تے ایناں نوں بڑا مان اے، اپنی دھون اپنے ہتھاں نال ای اپنے جسم توں جدا نہ کرنی پے جاوے۔

صدر صاب! قلم دی طاقت ویکھنی ہوئے تے فیر پاکستان دی آزادی دی تاریخ پڑھنی چاہی دی اے۔ انگریزاں تے اونہاں دے سائے تھلے رہن والے ہندواں تے سکھاں نے پوری طاقت نال آکھیا کہ پاکستان نئیں بن سکدا۔ ماسٹر تارا سنگھ نے اپنی کرپان لہرا کے آکھیا کہ "پاکستان کرپان دی نوک تے بنے گا" پر قائداعظم محمد علی جناح نے مسکرا کے آکھیا کہ اسیں پاکستان دی جنگ طاقت نال نئیں، قلم تے قانون نال جتاں گے۔ تے فیر قائداعظم نے جو کجھ آکھیا اوہ تقدیر نے پورا کر کے وکھا دتا۔ دنیا اج تک من دی اے کہ پاکستان قلم دی قوت نال حاصل کیتا گیا اے۔

محترم صدر صاب! تلوار غرور تے تکبر دا اظہار اے۔ ایہدا کم ای قتل و غارت دی اگ بھڑکانا ایں۔ ایہہ انساناں دے لہو نوں اپنی خوراک سمجھ کے شہراں تے بستیاں نوں اجاڑ کے خوش رہندی اے۔ اپنے حیاتی دا مان ودھان والے شہر اجاڑے تے قبرستان نوں آباد کیتا اے۔ تلوار دے چہرے تے اک جھاتی مارو تے بے شمار عالماں، حافظاں، ولیاں تے درویشاں دا خون ایہدے ظلم و ستم تے بربریت دی کہانی سناؤندا نظر آؤندا اے جنہاں نوں اپنے صرف انھی طاقت ظاہر کرن دی خاطر خاک وچ ملا دتا۔

عالی جناب! تلوار دی طاقت تے فخر کرن والے چنگیز، ہلاکو تے انہاں وانگ دوجے مغرور بادشاہواں نے کئی وار تلوار نال مسلمان شہراں نوں ای نئیں اسلامی ملکاں نوں اجاڑ دتا تے سمجھ لیا پئی اساں اسلام دا نام و نشان ای مٹا دتا اے۔ پر ایہہ اونہاں مغروراں دی غلط سوچ سی۔ جدوں ایہہ ظالم اگ تے خون دے دریا وگا کے وہلے ہوئے تے قلم نے اپنا کم وکھانا

شروع کر دتا۔ مدرسے فیر آباد ہو گئے۔ لائبریریاں فیروس گیاں۔ تے قلم دی خوشبو دینی تے دنیاوی علماں وچ ڈھل کے اجڑے شہراں تے ویران دلاں نوں فیرتوں آباد کر گئی۔ قلم دی ایس عظمت نوں دیکھ کے کسے اردو شاعر نے کڈی خوبصورت حقیقت بیان کیتی اے کہ

قلم تیز چلتا ہے تلوار سے
یہ پوچھے کوئی مرد مختار سے

صدر صاب! قلم دا تعلق ذہن نال ہوندا اے تے تلوار دا تعلق ہتھاں دی طاقت نال اے۔ ایہہ گل چمکدے ہوئے سورج وانگوں واضح اے پئی جسم دی طاقت ذہناں دی قوت اگے کوئی حیثیت ای نئیں رکھدی۔ اک عالم دا ذہن کئی وار پوری قوم توں طاقتور تے اچا ہوندا اے۔ تاریخ دسدی اے کہ تلواراں والیاں ہمیشہ توں ذہناں والیاں دی غلامی تے فخر دا اظہار کیتا تے قلم دے فیصلے نوں نافذ کرن دی خاطر قلم والیاں دی ماتحتی دا پورا پورا ثبوت فراہم کیتا۔

عالی جناب! زمانے نے کئی وار ایہہ عجیب منظر وی ویکھیا کہ اوہ بادشاہ جنہاں دی وحشت تے ظلم و ستم توں زمانہ لرزدا سی، قلم دی روشنی کھلارن والے درویشاں دی چوکھٹ تے عاجز غلاماں وانگوں حاضر ہوئے تے اونہاں توں ہدایت دی روشنی منگی۔ دنیا نے کدے وی تلوار دے فیصلے تسلیم نئیں کیتے تے ہمیشہ قلم دے فیصلیاں اگے ای سر نوں جھکایا اے۔

صدر محترم! **پچھلیاں** صدیاں ول اک نظر پاندیاں ای احساس ہوندا اے کہ تلوار نالوں قلم دے فیصلے سدا پائیدار تے مستقل رہے نیں۔ قلم دا فیصلہ ہمیشہ توں اے تے ہمیشہ لئی اے۔ زمانہ ماضی ہوئے یا زمانہ حال تے بھاویں مستقبل، قلم دی وڈھیائی جن سورج وانگوں لاٹاں مار دی دسدی اے زمانے وچ علم و فضل تے دینی دنیاوی علماں دی جنی دولت دی کھلری نظر اوندی اے ایہہ سب قلم دا صدقہ اے۔ ایہہ سب قلم دے موتی لٹان والے عالماں تے فاضلاں دا فیض اے۔ ایہہ سب اونہاں کتاباں دا صدقہ اے جیہڑیاں قلم دی عظمت دا اعلان کر رہیاں نیں۔

صدر صاب! تلوار دا نقش مٹ جاندا اے پر قلم دا نقش انمٹ اے۔ تلوار جسماں نوں جھکاندی اے پر قلم ذہناں تے دلاں نوں جھکاندا اے۔ تلوار نفرت تے دشمنی دی دلیل اے

تے قلم محبت تے امن و سلامتی دا پیغام اے۔ تلوار اگ دے بھانبڑ بالدی تے قلم پیار دے گلزار اگاندا اے۔ ایہہ سکول تے کالج' ایہہ مسجداں تے خانقاہاں' ایہہ علم و حکمت دے مینار' تے چن سورج تے کمنداں پان دے منصوبے بنان والیاں تجربہ گاہاں' ایہہ سبھے قلم دی شان تے وڈھیائی نوں منوا رہیاں نیں۔

صدر صاب! انہاں سچائیاں دی روشنی وچ مینوں اجازت دیو کہ میں ایہہ قرارداد ایوان وچ پیش کرسکاں کہ

"قلم تلوار توں ڈاڈھا اے"

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ
حدیث دل کسی درویش بے گلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

مباحثہ

قلم تلوار توں ڈاڈھا اے

(مخالفت)

محترم صدر صاحب!

میں تہاڈی اجازت نال قائد ایوان ولوں پیش کیتی گئی ایس قرارداد دی مخالفت کرنی چاہندا ہاں کہ

"قلم تلوار توں ڈاڈھا اے"

پردھان صاب! میں تھوڑی دیر پہلاں ای قائد ایوان نوں ایس قرارداد دے پردے وچ جھوٹ دے شہکار پیش کردیاں ہویا ویکھیا تے حیران رہ گیا کہ انہاں جھوٹ بولدیاں ہویاں نہ تے انصاف دا لحاظ کیتا تے نہ ای تاریخ نوں بخشیا اے۔ انہاں قلم دی حمایت وچ لفظاں دی تلوار چلائی تے ثابت کردتا کہ سچائی تے انصاف انہاں لئی بے معنی لفظ نیں۔ ایہہ صاب قلم دی حمایت وچ ودھ چڑھ کے بول رہے سن تے میں سوچ رہیا ساں کہ جے ایسے ویلے کوئی تلوار والا ایس ایوان وچ داخل ہو جائے تے ایہہ قائد ایوان سب توں پہلاں اوہدے اگے سر جھکا دین گے۔ ایس پاروں کہ قلم والیاں ہمیشہ ای تلوار نوں ڈاڈھا سمجھیا اے۔

صدر صاب! ایہہ سچ اے کہ قلم دی اک بلند چیز اے پر ایئوں تلوار دے مقابلے تے لیا یا نئیں جا سکدا۔ تلوار عظمت تے طاقت دا نشان اے تے قلم صرف لفظاں نال کھیڈن دا ول جان دا اے۔ تلوار غیرت مندی دا دوجا ناں ایں تے قلم صرف مصلحت تے کمزوری سکھاندا اے۔ طاقتور بادشاہواں تے حکمراناں نے قلم والیاں نوں پیار نال وی جتیا تے پیسے نال وی خریدیا۔ طاقت نال وی خدمت تے مجبور کیتا تے اوہناں تے بخشش دے بدل وی وسائے۔

جدوں قلم تلوار دی پناہ وچ آگیا تے دنیا وچ طاقت تے تدبر دے نویں دور دا آغاز ہو گیا۔

محترم صدر صاب! تلوار طاقت بہادری تے دلیری دا پیغام دیندی اے۔ ایہہ سچائی دی علمبردار تے حق و انصاف دا ناں بلند کردی اے۔ اسلام نے مسلماناں نوں جیہڑی ایمانی غیرت دا سبق دتا سی اوہدا حق صرف تلوار دے نال ای ادا ہو سکدا سی۔ ایسے پاروں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

الجنتہ تحت ظلال السیوف

جنت تلواراں دے سائے تھلے وے

جدوں حق دی خاطر میدان جہاد وچ اسلام دے جھنڈے نوں لہران دا وقت آیا تے ایہہ تلوار ای سی جیہڑی حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ تے حضرت خالد بن ولیدؓ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) دی ایمانی قوت توں نویں زندگی لے کے کفر دے خرمن تے بجلی بن کے ڈگی۔ ایہہ دی ایس تلوار دے جوہر دکھان دا کمال سی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دی بارگاہ چوں کسے نوں سید الشہداء کسے نوں شیر خدا تے کسے نوں سیف اللہ دا خطاب عطا ہویا۔

صدر صاب! ایہہ سچ اے پئی اسلام صوفیاء دی تبلیغ تے اوہناں دے اخلاق دی تلوار پاروں پھیلیا اے۔ انہاں مبلغین دے نال جیہڑے مسلمان مجاہدین کفر دے مقابلے وچ آئے تے تلوار دی عظمت منوان لئی اہناں ویلے دے سومناتاں نوں ڈھایا، زمانہ انہاں نوں کدے وی بھلا نئیں سکدا۔ جدوں وی اسلام دی تاریخ لکھی جاندی اے تے مورخ دا قلم محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر، قتیبہ بن مسلم، صلاح الدین ایوبی تے محمود غزنوی جہیے مجاہداں نوں فراموش نئیں کر سکدا۔ جیہڑے دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دے فروغ دی خاطر افریقہ، یورپ تے ایشیا دے ہر علاقے نوں اسلام دی روشنی عطا کرن خاطر اپنیاں تلواراں نوں رب دی رضا دے لئی نیام چوں کڈھ کے ہرپاسے پھیل گئے۔

پردھان جی! قائد ایوان نے الزام لگایا اے پئی تلوار قتل و غارت تے دہشت دی نشانی اے جے کر ایہہ اینی بری ہوندی تے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایہدے سائے تھلے جنت دا اعلان نہ فرماندے تے مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دی رضا اگے سر جھکا کے تلوار

دے جو ہر دکھاندیاں ہویاں کفر دا خاتمہ نہ کر دے۔ جنھوں تلوار اٹھان دا ول ای نئیں اوندا اوہ حق دا بول بالا کیویں کر سکدا اے۔

قائد ایوان اس تلخ حقیقت نوں بھل سکدے نیں کہ جدوں کوئی طاقتور حکمران کسے علاقے نوں فتح کر لیندا اے تے سب توں پہلا اوس علاقے دے ادیب' شاعر تے دانشور ای اوہنوں اپنی وفاداری دا یقین دلان لئی اوہدی خدمت وچ حاضر ہوندے نیں صرف حاضری ای نئیں دیندے اوس دی شان وچ لمے لمے قصیدے تے نظماں لکھ کے وی پیش کر دے نیں تے اوہدے کولوں انعامات دی سوغات وی حاصل کر دے نیں۔ میں سوال کرنا پئی اوس ویلے ایناں ادیباں شاعراں تے قلم کاراں نوں اپنے قلم دے تقدس دا احساس نئیں ہوندا؟ ایہہ لکھاری قبضہ کرن والے طاقتور دے قصیدے کہہ کے قلم دی عظمت دا کیہڑا نمونہ پیش کر دے نیں۔ قائد ایوان ایہہ کیوں نئیں من لیندے کہ ایہہ قلم کار تلوار دی وڈھیائی نوں سلام کر کے اپنی قلم دا مل پوان لئی ایہہ خوشامدی تحریراں پیش کر دے نیں۔

صدر صاب! ازل توں ایہہ ای دستور اے پئی دنیا اوسے نوں من دی اے جیہڑا طاقتور اے' کمزور انسان کیہہ اپنی ای حفاظت نئیں کر سکدا اوہنے اپنے ایمان تے ملک دی حفاظت کیہہ کرنی ایں۔ ہر دور وچ کمزوری نوں اک جرم سمجھیا گیا اے۔ ایسے پاروں سارے مذہباں نے اپنے منن والیاں نوں اپنی قوت ودھان دی تلقین کیتی اے۔ قلم دفتری کم کر سکدا اے۔ کاغذ کالے کر سکدا اے۔ پر ملکاں تے حکومت کرن دا ول اوہناں نوں ای اوندا اے جیہڑے تلوار دے دھنی تے حوصلہ مند سن۔ تلوار جے کر قلم وانگوں لکھ نئیں سکدی تے قلم چلان والیاں توں اپنی مرضی دا کم تے لے سکدی اے۔ زمانہ گواہ اے پئی قلم والیاں کسے دور وچ وی تلوار والیاں اگے انکار کرن دی جرات نئیں کیتی۔

محترم صدر صاب! قائد ایوان نے قلم دی شان تے وڈھیائی پاروں کتاباں تے تصنیفاں دا ذکر کردیاں ہویاں بڑے فخر دا اظہار کیتا اے۔ سوچن دی گل ایہہ وے پئی انہاں قلم کاراں کولوں ایہہ کتاباں کنے لکھوائیاں' بھاویں دمشق ہووے تے بھاویں اندلس' بھاویں بغداد دا علمی مرکز ہووے تے بھاویں قاہرہ دا دانش کدہ۔ علم و حکمت دے انہاں سارے مقاماں وچ

بے شمار فاضل، محدث تے مفسر بیٹھ کے دینی تے تحقیقی کم کردے رہے تے انہاں دے سارے اخراجات حکمران برداشت کر رہے سن جنہاں نوں قائد ایوان ظالم تے سفاک کہندیاں ہویاں نئیں تھکدے۔ انہاں حکمراناں نے قلم دی ایس شان نال سرپرستی کیتی کہ دنیا وچ ہرپاسے علم تے فن دے پھل مہکن لگ پئے۔ علم و حکمت دے انہاں موتیاں دا ذکر کردیاں ہویاں سانوں انہاں حکمراناں نوں سلام عقیدت پیش کرنا پوے گا جنہاں عالماں تے فاضلاں دی کھلے دل نال سرپرستی کرکے ثابت کردتا پئی قلم تلوار توں ڈاڈھا نئیں تے قلم نے ہمیشہ تلوار دی وڈھیائی تسلیم کیتی اے۔

صدر صاب! اج دے دور دے قلم کار کیہڑی منزل ول سفر کر رہے نیں قلم تے ناز کرن والے ادیب تے شاعر چڑھدے سورج دی پوجا کرن دا کوئی موقعہ ہتھوں جان نئیں دیندے۔ تلوار دی قوت نوں سلام کرنا انہاں دی عادت بن گئی اے تے ایہہ سلام وچ پہل کرن خاطر دوجیاں نوں دھکا دے کے اگے نکلن دا کوئی موقع وی ہتھوں جان نئیں دیندے تے اپنے عمل تے قلم دے استعمال نال ثابت کر رہے نیں کہ قلم تلوار توں ڈاڈھا نئیں۔ ایہہ تے تلوار دی غلامی نوں زندگی دا بہت وڈا سرمایہ سمجھ دے نیں۔

جناب والا! انہاں اکھراں دی روشنی وچ میں ایس قرارداد دی مخالفت کرکے سب توں اجازت چاہنداہاں تے ایہہ اعلان کرنا اپنا فرض سمجھ داہاں کہ تلوار قلم توں ڈاڈھی تے طاقتور اے۔

---O---

مباحثہ

فیشن وہلیاں نوں سجدا اے

(حمایت)

گرامی قدر صدر صاحب! ایہدے وچہ کوئی شک نیں کہ ویلے ویلے دی راگنی ای چنگی لگدی اے تے ہر کم اپنے وقت تے ای سجدا تے پھبدا اے۔ جیویں ہر موسم تے ہر تبدیلی دا اپنا ویلا ہوندا اے جیویں غم دے اتھرو تے خوشی دا ہاسا وی اپنا اک خاص وقت تے موقع رکھدے نیں ایویں ای فیشن وی وہلیاں وی زینت تے نکمیاں دا سنگھار بن کے قوماں دی تقدیر وچ خاص کردار ادا کردا اے۔

پردھان جی! جد تک کوئی قوم جنگ دی حالت وچ رہندی اے ایہدے افراد تلوار دی نوک نال قوم دی تاریخ لکھدے تے اپنے لہو دی سرخی نال قوم دی تقدیر نوں جگمگاندے نیں۔ ایناں دے خون دا اک اک قطرہ قوم دے مستقبل دے اسمان اتے سورج وانگوں چمکدا تے چن وانگوں دمکدا اے۔ ایہہ غازی تلواراں نال کھیڈدے تے تیراں دے مینہ وچ نماز عشق ادا کردے نیں۔

نہ مسجد وچ نہ بیت اللہ دی دیواراں دے سائے وچ
نماز عشق ادا ہوندی اے تلواراں دے سائے وچ

صدر صاب جی! ایس زندگی تے موت دی کھیڈ وچ ایہہ مجاہد فیشن تے سنگھار دے بارے سوچ وی نہیں سکدے تے ایناں دا ایہہ ای مثالی جذبہ قوم نوں آزادی دی نعمت بخشدا ایس قوم دے افراد نوں دنیا بھر دیاں قوماں دے سامنے فخر نال سر اٹھا کے چلن دے قابل بناؤندا اے۔ تے فر ایہو ای قوم ہوندی اے جیہڑی تقدیر دے ہتھ وچ تلوار وانگوں چلدی تے زمانے توں اپنا حیرت انگیز مقام منواندی اے۔

پر پردھان جی! جدوں ایہہ قوم شمشیروسنان نوں چھڈ کے تے اپنے اسلاف دی بہادری تے شجاعت دی روایات نوں بھلا کے فیشن نوں اپنا سنگھار تے بے حیائی نوں اپنا شعار بنا لیندی

اے ' جدوں ایس قوم دے افراد تہذیب دے ناں تے بے غیرتی نوں ' ترقی تے کلچر دے ناں تے رقص و سرود نوں اپنی زندگی سمجھن لگ پیندے نیں تے فر تقدیر اپنا فیصلہ ضرور سناؤندی اے تے زمانہ ایس قوم نوں اپنی ٹھوکراں تے رکھ کے کائنات دے صفحے توں انج مٹا دیندا اے کہ تاریخ دے آئینہ خانے وچہ ایہدے پرچھانواں تک دکھائی نئیں دیندا۔ اردو دے اک منے پرمنے ' سچے تے سچے شاعر ایسے پاروں فرمایا اے کہ

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سنان اول طاؤس و رباب آخر

جناب والا! تاریخ ایس گل دی شاہد تے زمانہ ایس حقیقت دا گواہ اے کہ فیشن دے میدان وچہ ترقی کرن والی تے رقص و سرود نوں زندگی دا وقار بنان والی قوم نے کسے دور وچہ وی ترقی نئیں کیتی۔ تاریخ دے عبرت کدے وچ ایہہ داستان موجود اے کہ جدوں نادر شاہ درانی دیاں فوجاں مغل سلطنت دی اٹ نال اٹ وجان دی خاطر دلی وچہ داخل ہو رہیاں سن تے مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلا اوس ویلے وی شراب تے شباب دی بازی کھیڈ کے اپنے وزیراں توں صرف ایہہ ای پچھ رہیا سی کہ اونہوں کس طراں دا شاہانہ لباس پہن کے تے کس طراں دا سنگھار کر کے فاتح دا استقبال کرنا چاہی دا اے۔

جدوں غیرت کسے وی قوم توں ہوندی فنا ویکھی
زمانے اوس تے چھاندی ہوئی ہر پل قضا ویکھی

جناب والا! دور کیوں جایئے بنگلہ دیش دا وجود کوئی صدیاں دی گل نئیں۔ اخباراں دے فائل تے بھیدیاں تے بیان ایس گل دے شاہد نیں کہ جد ڈھاکہ تے چٹا گانگ دے بازاراں وچہ متحدہ پاکستان دی بقا دی آخری جنگ لڑی جا رہی سی ہندوستانی فوج صدیاں دی دشمنی دا بدلہ لین خاطر مسلماناں نوں گاجر مولی وانگوں کٹ رہی سی تے متحدہ پاکستان دا آخری صدر یحییٰ خاں شراب دے نشے وچہ بدمست ہو کے صدارتی محل وچہ فیشن تے بے حیائی دا اوہ شرمناک ڈرامہ کھیڈ رہیا سی جہدی سزا پوری قوم نوں پاکستان دے ٹکڑے ہون دی صورت مل کے رہی۔

صدر صاب! ایہہ سب ایس پاروں سی کہ پوری قوم نے ۱۹۴۷ء دے نہ بھلن والے سبق تے ۱۹۶۵ء دی مسلمان قوم دی ولولہ انگیز کہانی نوں بھلا کے فیشن تے بے حیائی نوں اپنی زندگی دا سرمایہ تے اپنی نام نہاد ترقی دا بہانہ سمجھ لیا سی۔

کڑیاں پڑھن رومانی ناول منڈے فلمی گانے گان
ایس لئی تے نئیں سی بنایا اساں ایہہ رل کے پاکستان
ایس لئی مروائے نئیں سن بچے آندھی آوے
منڈا شہر لاہور دا پیا ولاں تے تیر چلاوے

پردھان جی! اسیں اپنے قیمتی زر مبادلہ دا بہت وڈا حصہ فیشن' بناؤ سنگھار دے سامان تے عیش و عشرت دے لوازمات منگوان تے خرچ کر چھڈ دے ہاں۔ سوال ایہہ وے کہ ایہہ فضول خرچی ساڈی ترقی وچ کیہڑا کردار ادا کردی اے۔ اگر اسیں فیشن دی فضول خرچی وچ ضائع ہون والا ارباں روپے دا زر مبادلہ قومی تے دفاعی ضروریات تے خرچ کریئے تے کیہہ عجب کہ چند ورھیاں وچ ساڈا شمار وڈے ترقی یافتہ ملکاں وچ ہون لگ پوے گا۔ ایس واسطے اک شاعر نے کڈی عمدہ گل کہی اے کہ

فیشن رول تے رناں
تنے اجاڑ دا بناں

پردھان جی! دوجے دھڑے دے مقرراں اپنے جھوٹ نوں سچ کر کے دکھان لئی جو مرضی کہن پر ایہہ حقیقت ہے کہ فیشن وہلیاں دی سجاوٹ' کم کاج توں نسن والیاں دی زینت اے۔ آپ ای سوچو اک مزدور جیہڑا سویر توں شام تک محنت کر کے رات نوں تھکیا ہاریا گھر آوندا اے یا کوئی ملازم سارا دن فائلاں نال الجھ کے تھکاوٹ نال چور ہو کے چھٹی ویلے گھر آوندا اے اوہ فیشن تے ایہدے لوازمات بارے سوچ وی نئیں سکدا کیوں جے اوہنوں تے اکو ای گل ستاؤندی اے کہ

پیٹ نہ پیاں روٹیاں تے سبھے گلاں کھوٹیاں

صدر صاب! دوجے پاسے دیکھو تے تہانوں ایہو جیہی مخلوق نظر آئے گی جیہڑی فیشن دی

پرستار تے کلباں دی پیداوار اے۔ ایئر کنڈیشنڈ کوٹھیاں چہ جنم لین والے' تیں فٹ لمیاں کاراں وچ سفر کرن والے' بناؤ سنگھار نال کاغذی چہریاں نوں مصنوعی حسن دین والے' سارا سارا دن عیش و عشرت دے سامان خریدن وچ گزارن والے تے دن دے آغاز توں رات دے آخری پہر تک انساناں نال بھریاں ہویاں سڑکاں تے اپنے فیشن تے حسن دا اخراج لین خاطر آوارہ گردی کرن والے' ایہہ سب اوہ وہلے مرد تے عورتاں نیں جیہڑے فیشن دے ناں تے اتوں سوہنی تے وچوں کھوکھلی مغربی تہذیب دے چن چراغ نیں۔ ایہناں دی زندگی دا سورج فیشن میگزین دے مطالعہ نال شروع ہوندا تے شام نوں کسے نائٹ کلب وچہ داخل ہون تے ڈب جاندا اے۔

پردھان جی! ایناں دلیلاں دی روشنی چہ مینوں اجازت دتی جائے کہ میں ایس قرارداد دی حمایت کر سکاں کہ

"فیشن وہلیاں نوں سجدا اے"

---O---

مباحثہ

"زوراور دا ستیں وہیں سو"

(حمایت)

جناب صدر صاحب! پرانے زمانے توں اینہہ مثل ایویں ای چل دی آوندی اے کہ "جس دی لاٹھی اوس دی بھینس" اوس زمانے توں لے کے جد تہذیب تے تمدن دا دور دور تیکر نشان وی نئیں سی ملدا' اج دے تہذیب دی معراج تے پہنچے ہوئے زمانے تیک وقت دا قاضی ایہو ای دس دا اے کہ زورا ور ہمیش ای اپنی گل منواندے آئے نیں۔ فلسفے دی کتاباں وچ سر کھپان والے سوچدے ای رہ جاندے نیں تے طاقت دی لاٹھی نال دنیا نوں ہکن والے تاریخ دا رخ جدھر چاہندے نیں پھیر لیندے نیں۔ کتاباں والے اپنے لفظاں تے حرفاں دی دوکان سجا کے انہاں نوں بھاویں جنہاں مرضی لفظاں نال یاد کرن' ہوندا اوہو ای اے جو زوراور چاہندے نیں۔

پردھان جی! تاریخ دے چہرے توں پردہ اٹھاؤ تے تھاں تھاں تے زوراوراں دیاں کہانیاں کھلریاں نظر آوندیاں نیں۔ تہذیب توں پہلاں دے دور وچ سرداری دے قابل اوہو ای ہوندا سی جس دی باہواں وچ زور تے سروچ طاقت دا نشہ ہوندا سی۔ بھاویں اوس دے مقابلے وچہ سارا قبیلہ شرافت تے اخلاق دی مالا جپ دا سی پر اوہ زوراور اپنے زور نال کوئی وی گل منوا لیندا سی تے شرافت تے علم دی مالا جپن والے کم زور عالم اوس دی بے انصافی نوں "عین انصاف" تے بے ایمانی نوں ایمان دا تقاضہ قرار دین لگ پیندے سن۔

صدر صاحب! چنگیز تے ہلاکو توں وڈا انسانی شکل وچ رب دا عذاب شاید ای کدے نازل ہویا ہووے گا۔ ہلاکو نے شہراں دی دلہن بغداد نوں اجاڑیا تے اسلام دے سچے خادم سلطان جلال الدین خوارزم دی سلطنت دا بوٹا جڑ توں ای پٹ دتا سی۔ اوس اینہہ تباہی دا بازار گرم کرن توں پہلاں کجھ اسلام دشمن فلسفیاں تے دل دے کھوٹے تے عقل سے انھے وکاؤ مسلمان مفتیاں کولوں پچھیا۔ انہاں قوم نوں کوڈی دے مل دیچن والے مفتیاں نیں بغداد دی تباہی

تے خوارزم شاہ دے قتل نوں عین انصاف تے اسلام دے مطابق جائز قرار دتا۔

پردھان جی! ایہہ عرض کرن توں میرا مقصد ایہہ ہے کہ زورا ور جو چاہندے نیں کر گزردے نیں تے جد بعد وچ اوہ اپنے لُٹّیں دیں سونوں پنجیں دیں سودا روپ دین لئی، دنیاوی نظراں وچ گھٹاپان دی خاطر، مذہب تے قوم نوں وکاؤ مال سمجھن والے فلسفیاں، عالماں تے مفتیاں ول اشارہ کر دے نیں تے ایہوای مذہب دے رکھوالے تے علم تے دانش دیاں اچیاں گدیاں تے بیٹھن والے فوراً زورا ور دی ہاں وچ ہاں ملا دیندے نیں۔

صدر صاحب! دور کیوں جایئے۔ پہلی تے دوجی عالمی جنگ وچ کیہہ ہویا سی، امن دی بھینس اوس نے ای لکی جھدے ہتھ وچ طاقت تے ایٹم دی موٹی تے لمی رسی سی۔ امریکہ، روس تے جرمنی سب نے پورا پورا زور وکھایا۔ امن تے انصاف دی فاختہ نوں ناگاساکی تے ہیروشیما وچ جاپانیاں دے خون نال رنگ دتا گیا۔ کنے سال ہو گئے نیں، وقت دی دھوڑ اٹھا کے زورا وراں دے لائے ہوئے زخماں نوں ویکھو تے انسانیت اج وی خون دے ہنجو روندی نظر آوندی اے۔ انہاں دی بے انصافی نوں کسے ہی لگام نہ دتی تے انہاں دے زورا گے کسے وی بنھ نہ بنھیا۔ سیاسی لیڈریاں نیں جو کجھ کیتا، زمانے دی خاموشی نے اوس نوں جائز قرار دے کے تصدیق دی مہر لا دتی۔"

صدر جی! کجھ ای پہلاں رات دے ہنیرے وچ روسی ٹینک چیکوسلاو یکیہ تے چڑھ دوڑے۔ صلح تے امن اگے متھا ٹیکن والے سوچدے ای رہ گئے تے چیکوسلاو یکیہ دیاں سڑکاں لہو وچ ڈب گیاں تے گلیاں لاشاں نال پٹ گیاں۔ ایہدے نال دوجی کہانی مشرقی پاکستان وچ دہرائی گئی تے وڈیاں طاقتاں نیں ہندوستان دے حوصلے نوں ودھایا تے پاکستان دا ایہہ اٹوٹ انگ زبردستی دکھرا کر دتا گیا۔ پاکستان دے وسنیکاں دے دکھی دل حالے تک خون روندے نیں۔

محترم صدر! کشمیر دے جھگڑے وچ کیہڑی گنجل اے۔ عوام آزادی چاہندے نیں پر لمے عرصے توں ہندو سامراج کشمیر دی جنت وچ اگ تے خون دی کھیڈ کھیڈ رہیا اے۔ روس دی شہ تے سدا دا بزدل دھوتی بنھ ہندو بنیا جنگ دی دھمکی توں تھلے گل ای نہیں کردا۔

جناب صدر! ایہہ نئیں کہ سچی گل دا کسے نوں پتہ نئیں۔ جیہڑے کئی اقوام متحدہ دیاں

قرارداداں وچ بچ ورھیاں توں چیخ رہیا اے۔ پر گل زوراور دے ستیں ویہیں سو تے آ کے رک جاندی اے' میں حضرت علامہ اقبال دے مشہور شعر دا پنجابی وچ ترجمہ کر کے ایہدا حسن مجروح کرنا نئیں چاہندا۔ علامہ اقبال نے کڈھی سچی تے سچی گل کیتی اے کہ

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

ایہوای "مرگ مفاجات" زوراور دے ستین ویہیں سو دی شکل وچ تھاں تھاں تے کھانیاں وکھیردی نظر آوندی اے۔

صدر جی! اج دے زمانے وچ طاقت دا نشہ ایناں کو بھاری اے کہ کمزور تے شریف آدمی دی نہ تے عزت محفوظ اے تے نہ ای جان۔ شرافت تے امن دے لفظ صرف کتاباں تے دستوراں وچ ای سجے سوہنے لگ دے نیں۔ زوراور جو چاہندے نیں حاصل کر لیندے نیں۔ بھاویں ایناں نوں کسے دے لہو نال ہتھ رنگنے پین تے بھاویں کسے دی عزت تے شرافت دا جنازہ کڈھنا پوے۔ قتل' اغوا' چوری تے ڈاکے دیاں چٹ پٹیاں خبراں نال اخبار بھرے وسدے نیں' پر انصاف دے تقاضے پورے ہون دی خبر شائد ای کدی پڑھن وچ آوندی اے۔

---O---

مباحثہ

کڑیاں منڈیاں توں ودھ لائق نیں

(حمایت)

صدر صاحب! میں اج دی ایس علمی پرھیاوچ قائد ایوان ولوں پیش کیتی گئی ایس قرارداد دی حمایت کرنی چاہنداہاں پئی کڑیاں منڈیاں توں ودھ لائق نیں

ساڈے معاشرے وچ عورت نوں اوہ مقام نئیں دتا جاندا جس دی اوہ حقدار اے پر ایناں ساریاں پابندیاں دے باوجود بھی کڑیاں جدوں عمل دے میدان چہ نکلدیاں نیں تے ایناں دی کارکردگی منڈیاں نالوں کئی درجے ودھ کے چنگی تے تعریف دے قابل ہوندی اے۔

صدر صاحب! جد کڑیاں علم حاصل کرن لئی سکولاں تے کالجاں دا رخ کردیاں نیں تے سارا معاشرہ انہاں دی مخالفت تے آمادہ ہو جاندا اے۔ ایسے مخالفت دا ایہہ نتیجہ نکلدا اے کہ کئی لائق تے اچا ذہن رکھن والیاں کڑیاں تعلیم حاصل ای نئیں کر سکدیاں۔ جیہڑیاں کڑیاں سکولاں تے کالجاں وچ داخل ہو جاندیاں نیں۔ اوہ اپنے تعلیمی اداریاں وچ اپنے علم تے لیاقت دا بڑا اچا معیار قائم کردیاں نیں تے جدوں اوناں دے سالانہ نتائج دی واری اوندی اے تے اوہدوں انہاں دے نتیجے دی شرح منڈیاں نالوں کئی درجے اچی تے شاندار ہوندی اے۔

صدر صاب! تعلیم حاصل کرن مگروں ملازمت دا مرحلہ اوندا اے۔ دنیا کئی کئی بہانے پا کے عوررت نوں ملازمت کرن توں روکدی اے۔ پر تاریخ گواہ اے کہ کڑیاں ملازمت لئی زندگی دا جیہڑا شعبہ وی اختیار کردیاں نیں اوہدے وچ انہاں دی کارکردگی منڈیاں نالوں زیادہ چنگی تے پرمنی ہوندی اے۔ کڑیاں دا سب توں وڈا وصف اے کہ ایہہ اپنے کم نال کم رکھ دیاں نیں تے جیہڑے کم نوں وی ہتھ پاندیاں نیں اوہنوں پورا کر کے ای چھڈدیاں نیں۔

صدر صاب! دنیا بھر دے ملکاں دی تاریخ ویکھیے تے ایہہ سچائی اپنا وجود منواندی نظر آوندی اے کہ عورتاں نے اپنے علم لیاقت، حوصلہ تے تدبر دے نال قوماں دی تقدیر بدل کے رکھ دتی جدوں کفر دے خلاف جہاد دا وقت اوندا اے تے عورتاں اپنے مرداں توں ودھ کے بہادری تے دلیری دا ثبوت دیندیاں نیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے زمانے دے غزوات وچ عورتاں میدان جنگ وچ جا کے زخمی مجاہداں نوں پانی وی پلاندیاں سن تے اوناں دی مرہم پٹی وی کردیاں سن۔ تے جیکر تلوار اٹھا کے کافراں دا مقابلہ کرنا پیندا سی تے مرداں نالوں پچھاں نئیں سن رہندیاں

صدر صاب! تاریخ گواہ اے کہ جدوں ترک مجاہد اپنے دشمناں دے خلاف زندگی تے موت دی جنگ لڑ رہے سن تے اہناں دیاں مسلمان بچیاں تے عورتاں جنگ دے میدان وچ اپنے مسلمان بھائیاں دا ساتھ ونڈا رہیاں سن۔ اہناں کڑیاں وچ ای اوہ مسلمان مجاہدہ وی شامل سی جنھوں زمانہ فاطمہ بنت عبداللہ دے ناں نال یاد کر رہیا اے۔ طرابلس دی لڑائی وچ ایہہ مجاہدہ زخمی مجاہداں نوں پانی پلاندی پلاندی شہید ہو گئی تے ساڈے عظیم شاعر علامہ اقبال نے اوہنوں عقیدت دا خراج پیش کردیاں ہویاں آکھیا

فاطمہ تو آبروئے ملت مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے

صدر صاب! گل ایتھے ای نئیں مک جاندی۔ ہندوستان دی تاریخ وچ وی مسلمان کڑیاں تے مسلمان عورتاں دا کردار سورج وانگوں روشن نظر آوندا اے۔ رضیہ سلطانہ، چاند بی بی جیہاں عورتاں نے حکومت کرن دیاں بہترین مثالاں پیش کیتیاں۔ تے جدوں پاکستان نوں حاصل کرن لئی عملی جدوجہد کرن دا ویلا آیا تے مسلمان کڑیاں وی اپنے سکولاں تے کالجاں چوں نکل کے اپنے بھائیاں دے نال مل کے انگریزی سامراج اتے کاری ضرب لگان خاطر سڑکاں تے آگئیاں۔ ایناں لاٹھیاں وی کھادیاں تے شہادت دا جام وی نوش کیتا۔ ایناں نوں جیلاں وچ وی بند کیتا گیا پر اہناں دا آزادی دا جذبہ ختم نہ ہو سکیا تے زمانے نے ویکھیا کہ بڑی چھیتی پاکستان وجود وچ آگیا۔ اوہ وہ اک مسلمان کڑی فاطمہ صغریٰ ای سی جہنے پاکستہ

دی تحریک وچ لاہور سیکرٹریٹ تے چڑھ کے پاکستان دا پرچم لہرایا۔ چارے پاسے گولیاں وس رہیاں سن پر ایہہ آزادی دی پرستار پاکستان دا جھنڈا لہرا کے پاکستان زندہ باد دا نعرہ لا رہی سی۔ ایناں دے نال نال بیگم شاہنواز' بیگم تصدق حسین' بیگم محمد علی جوہر تے محترم فاطمہ جناح دیاں خدمتاں ساڈی تاریخ دے روشن باب دی حیثیت رکھ دیاں نیں۔

صدر صاب! اج کڑیاں تے وڈے وڈے الزامات لائے جاندے نیں۔ انہاں نوں ہر قسم دی گالی دتی جاندی اے۔ پر میں دوجے دھڑے کولوں پچھدا ہاں کہ عورت نوں غلط رستے تے چلان والا کون اے۔ جد مرد خود ای مجرم اے تے فر عورتاں تے کڑیاں تے الزام لانا بے فائدہ تے سچائی نوں جھٹلان دے معنی رکھدا اے۔

صدر صاب! بھاویں تعلیم دا میدان ہووے یا فلسفہ دا میدان' سائنس دی ترقی دا ذکر ہووے یا تحقیق دی گل چلے' کڑیاں ہر میدان وچ اپنی عظمت دے چراغ روشن کیتے نیں۔ عام طور تے عورت نوں "نازک صنف" آکھیا جاندا اے۔ جد ایہہ نازک صنف اپنیاں صلاحیتاں دا جادو جگان خاطر عمل دے میدان وچ اتر دی اے تے فیر ایہدے ارادے پہاڑاں توں ودھ کے مضبوط' سمندراں توں ودھ کے عظیم ہوندے نیں۔ ایہدے نال ای ایس گل دا فیصلہ ہو جاندا اے پئی کڑیاں نازک صنف ہوندیاں دی جد منڈیاں توں ودھ جان تے فیر صنف نازک دا لقب کڑیاں نوں نئیں بلکہ منڈیاں نوں دینا چاہی دا اے۔

صدر صاب! میں اہناں صداقتاں دی روشنی وچ ایس قرارداد دی حمایت کر دیاں ہویاں مخالف دھڑے نوں ایہہ پیغام دینا چاہندا ہاں پئی

ڈھوراں وانگ لڑدے کیوں او
سیانا جد کوئی گل سمجھائے
نیانے وانگ اڑدے کیوں او
جیہڑیاں سچ توں خالی ہوون
ایسیاں گلاں کر دے کیوں او

مباحثہ

"عزت دولت نال لبھدی اے علم نال نئیں"

(مخالفت)

صدر صاحب! میں اج دی ایس پرھیا وچ ایس قرارداد دی مخالفت کرنی چاہندا ہاں کہ

"عزت دولت نال لبھدی اے علم نال نئیں"

ایس گل دا نتارا کرن توں پہلاں کہ عزت کس چیز نال لبھدی اے میں ایہہ ضرور عرض کراں گا کہ ہر دور وچ عزت دا معیار وکھرا وکھرا رہیا اے۔ ایہہ ضروری نئیں کہ جیہڑی عزت علم تے فضل والیاں نوں حاصل ہووے اوہو ای عزت دولت دے بتاں نوں پوجن والے اپنے چمکدے سکیاں نال خرید کر سکن۔ تے ایس حقیقت توں وی انکار نہیں کیتا جا سکدا کہ عزت دولت عہدے تے طاقت دے زور تے زبردستی کرائی نئیں جاندی بلکہ انسانی صفتاں نوں ویکھ کے خودبخود پیدا ہو جاندی اے۔

محترم صدر! تاریخ دس دی اے کہ اک واری بصرہ شہر وچ پڑھے لکھے لوکاں دا بہت وڈا اکٹھ ہویا اچانک بصرہ دا گورنر حجاج بن یوسف، جس دے اشارے نال زندگی دی نبض رک جاندی سی، اوس پرھیا وچ آ نکلیا تے سب اوس دے دنیاوی مرتبے دا خیال کر کے اوس نوں سلام کرن لگ پئے۔ کجھ دیر بعد قرآن تے حدیث دے مشہور عالم حضرت حسن بصری اوس پرھیا وچ آئے تے ہزاراں لوکاں دا ہجوم انہاں دے احترام وچ کھڑا ہو گیا تے دل دی گہرائیاں وچوں نکلیا ہویا سلام دا ہدیہ اونہاں دی نذر کیتا۔ جے کر مورخ دا ذہن اونہاں دے دل چیر کے ویکھ سکدا تے صاف نظر آ جاندا کہ اصل عزت اوس درویش تے ولی دی سی جیہڑا علم دی سلطنت دا بے تاج بادشاہ سی۔ ایہہ عزت کوئی خوشامد نئیں سی تے نہ ای کسے لالچ دا نتیجہ سی۔ عوام دے خون دے اک اک قطرے وچ ایس عالم دی عزت دی حرارت دوڑ رہی سی۔

ولی دی نظر وچ اوہ تاثیر ویکھی
بدلدی ہزاراں دی تقدیر ویکھی

عالی جناب! ایہہ ہو سکدا اے کہ کجھ لوک کسے وڈیرے دی طاقت توں خوف کھا کے' کسے افسر دے عہدے توں ڈر کے' تے کسے سنگل تے برلے دی دولت دا لالچ کر کے' خوشامد دا جادو جگان لگ پین تے ایہہ افسر' ایہہ وڈیرے تے ایہہ دولت منداایس خوشامد نوں عزت دی معراج سمجھن۔ پر ایس خوشامد تے جھوٹی عزت دا پتہ اوددوں لگ دا اے جدوں اوس وڈیرے دے پر کٹ دتے جان' اوس افسر دی کرسی اوس دے تھلوں نکل جائے تے اوس دولت دے خدا دی دولت ڈھلدی چھاں بن جاوے۔ اوس ویلے پتہ چل دا اے کہ ایہہ عزت تے پیٹ دی مجبوری سی جیہڑی کجھ لوکاں دے ضمیر نوں مٹھی نیندر سوا کے اونہاں نوں مجبور کر رہی سی کہ اوہ اکھیں دیکھدیاں وی دن نوں رات تے رات نوں دن کہن۔

صدر صاحب! ایس دے مقابلے تے اوس عالم دی عزت دا اندازہ کرو جیہڑا دناں دا آرام تے راتاں دی نیندر علم توں قربان کر دیندا اے۔ اوہ کسے وی منزل نوں آخری منزل نئیں بلکہ منزل دے ول پہلا قدم سمجھ دا اے۔ اوہ اپنا گھر بار' رشتے دار' اپنا وطن' سب کجھ علم دی راہ وچ وار دیندا اے۔ اوہ اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دے ایس ارشاد دی تصویر بن جاندا اے کہ

"علم حاصل کرو بھاویں چین کیوں نہ جانا پوے"

آخر اک وقت ایسا آوندا اے کہ وقت دا بہترین فیصلہ اوہدے علم تے دانائی دا نچوڑ ہوندا اے۔ زمانہ اوس دی عزت کسے ڈر' کسے لالچ' تے کسے خوف پاروں نئیں کروا۔ اوہ جسماں تے ای نئیں انساناں دے دلاں تے حکومت کروا اے۔ لکھاں انقلاب آون پر اوس دی عزت دا قطب مینار کدے نئیں ڈولدا۔ کفر تے ہنیرے دے جھکڑ جھلن پر اوس دی عزت دا چراغ خدا دا نور بن کے ہمیشہ روشن رہندا اے۔ جد اوہ شخص اپنی زندگی دا سفر پورا کر کے دوجے جہان ول چل دا اے تے اک ولی دے لفظاں وچ انج نظر آوندا اے کہ

"ایہہ عالم دی موت نئیں اک دنیا دی موت اے"

صدر صاحب! جے کر عزت دولت نال لبھدی تے اج دنیا دے اک ارب مسلمان اوس کالی کملی والی سرکارؐ دا کلمہ نہ پڑھدے جیہڑی آپ یتیم تے غریب سی تے دنیا دے غریباں دا مان رکھن لئی رحمت اللعالمین بن کر آئی سی۔ جے کہ عزت دولت دی محتاج ہوندی تے کوئی انسان مولا علیؓ دا ناں نہ لیندا جنہاں جو دی روٹی کھا کے خیبر دا دروازہ اکھیڑ دتا۔ جے کر عزت دولت نال لبھدی تے کوئی انسان صدیق اکبرؓ، ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ، امام ابو حنیفہؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، امام غزالیؒ، مولانا رومؒ، شیخ سعدیؒ، بو علی سینا، علامہ اقبال تے ا۔نہاں جیہے ہزاراں چن تاریاں دی عزت نہ کردا جیہڑے منہ وچ سونے دا چمچہ لے کے پیدا نہ ہوئے تے علم دے میدان وچ اوہ کمال حاصل کیتا کہ اج اونہاں نوں ساڈی نظراں توں دور ہویاں مدتاں گزر چکیاں نیں پر اج وی اوہ ساڈے دلاں تے ساڈے ساہواں وچ وسدے نیں۔

نام تنہاں دا زندہ باہوؒ قبر جنہاں دی جیوے ہو

صدر صاحب! اج دے دور وچ لوک کسے عالم، فاضل، ولی تے کسے درویش دا ناں جس عزت نال لین گے، اوس عزت دے لفظ زبان توں وی ادا ہون گے تے دل دی اقرار کرے گا۔ اوس عزت دا حق دار کوئی دولت مند، کوئی حاکم تے کوئی افسر نئیں بن سکے گا۔ ایس دی وجہ ایہو ای اے کہ دولت نال جسماں نوں خریدیا جا سکدا اے پر دلاں تے حکومت صرف علم دا تاج پہنن والے ای کر سکدے نیں۔

محترم صدر! میں اجازت چاہنداہاں کہ ا۔نہاں لفظاں نال ایس قرارداد دی مخالفت کر کے ایہہ کہہ سکاں کہ

"عزت دولت نال نئیں صرف علم نال لبھدی اے"

---○---

پروفیسر محمد اکرم رضا کے قلم سے

مطبوعہ کتب

- ☆ روح تکلم (تقریریں)
- ☆ جمال فقر
- ☆ حیات شیخ الاسلام
- ☆ سلام بحضور سید الانامؐ
- ☆ تاریخ گوجرانوالہ
- ☆ رہنمائے عمرہ
- ☆ سیرت خطیب الاسلامؒ
- ☆ کاروان نعت کے حدی خواں
- ☆ حسن تکلم (تقریریں)
- ☆ تجلیات مخدومؒ
- ☆ شہر یار خطابت
- ☆ انوار میاں میرؒ
- ☆ فیضان اکبری
- ☆ قافلہ شوق کے مسافر
- ☆ حیات شہنشاہ لا ثانی
- ☆ میلاد مصطفیٰؐ قرآن وسنت کی روشنی میں

مصنّف کی دیگر کتب

مطبوعہ کتب

- روحِ تکلّم ... (تقریریں)
- حسنِ تکلّم ... (تقریریں)
- جمالِ فقر
- کاروانِ نعت کے حدی خواں
- تجلیاتِ مخدوم
- حیاتِ شیخ الاسلام
- شہریارِ خطابت
- سلام بحضور سید الانامؐ
- انوارِ میاں میر
- تاریخِ گوجرانوالہ
- فیضانِ اکبری
- میلادِ مصطفیٰ ﷺ قرآن وسنت کی روشنی میں
- رہنمائے عمرہ
- مرکزِ تجلیات

زیرِ طبع کتب